سورۃ الانبیاء

ایاتھا ۱۱۲ ۲۱ سورۃ الانبیاء مکیۃ ۷۳ رکوعاتھا ۷

تمام علماء کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اس کی ایک سو بارہ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡہُ وَ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ لَاہِیَۃً قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ ہَلۡ ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾

”قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ نہیں آتی ان کے پاس کوئی (تازہ) نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اس حال میں کہ وہ (لہو) لعب میں مگن ہوتے ہیں، غافل ہوتے ہیں ان کے دل اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم (وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند تو کیا تم پیروی کرنے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو (کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے)“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: سورۃ الکہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء پہلی سورتوں میں سے ہیں اور یہ میری پہلی یاد کی ہوئی سورتیں ہیں یعنی پہلے پہل یہ سورتیں حاصل کیں اور قرآن کو یاد کیا جیسے پرانا مال ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھا وہ دیوار بناتا تھا اس سورت کے نزول کے دن اس کے پاس سے ایک اور شخص گزرا جو دیوار بنا رہا تھا اس نے پوچھا آج قرآن میں سے کیا نازل ہوا ہے؟ دوسرے نے کہا: یہ نازل ہوا ہے اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۱﴾، تو اس شخص نے اپنے ہاتھ سے اپنی عمارت کو توڑ دیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی تعمیر نہیں کروں گا جبکہ حساب کا وقت قریب آ گیا ہے (1)۔ اِقۡتَرَبَ یعنی وہ وقت قریب آ گیا ہے جس میں لوگوں کے اعمال کا حساب ہوگا۔ لِلنَّاسِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد مشرکین ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اِلَّا اسۡتَمَعُوۡہُ وَ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ لَاہِیَۃً قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ ہَلۡ ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾ بعض علماء نے فرمایا: الناس عام ہے اگرچہ اس وقت اس کا مشار الیہ کفار

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 73

قریش تھے۔ اس پر بعد والی آیات دلالت کرتی ہیں جس کو قیامت کے قرب کا علم ہو گیا اس کی امیدیں مختصر ہو گئیں اور توبہ کے ساتھ اس کا نفس پاک رہا۔ اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا گویا جو موجود تھا جب وہ چلا گیا تو وہ تھا ہی نہیں۔ ہر آنے والا امر قریب ہے۔ موت لامحالہ آنے والی ہے۔ اور ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامت کا قیام ہے اور قیامت قریب ہے۔ گزشتہ زمانہ کی نسبت سے جو زمانہ باقی ہے وہ گزرے ہوئے زمانہ سے کم ہے۔ ضحاک نے کہا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ کا معنی ہے عذابهم یعنی کفار مکہ کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ انہوں نے عذاب کے وعدہ کی تکذیب کرتے ہوئے اسے دیر سے آنے والا سمجھا۔ ان کا قتل بدر کے دن تھا۔ نحاس نے کہا: کلام میں اقترب حسابهم للناس جائز نہیں تاکہ مظہر پر مضمر مقدم نہ ہو اور اس کے ساتھ تاخیر کی نیت کرنا بھی جائز نہیں۔

وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ یہ مبتدا اور خبر ہیں۔ غیر قرآن میں حال کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں: (۱) وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ یعنی دنیا کی طرف متوجہ ہیں آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ (۲) حساب کے لیے تیار ہونے سے غافل ہیں اور اس سے غافل ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے آئے ہیں۔ یہ واو سیبویہ کے نزدیک اذ کے معنی میں ہے اس کو نحوی واو حالیہ کہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (آل عمران: 154)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ، محدث ذکر کی صفت ہے۔ کسائی اور فراء نے محدثاً بھی جائز قرار دیا ہے، بمعنی مایاتیهم محدثاً نصب حال کی بنا پر ہے کیونکہ اگر تو مِنْ کو حذف کرے گا تو ذکر کو رفع دے گا یعنی مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ مراد نزول ہے اور جبرائیل کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تلاوت کرنا ہے، کیونکہ قرآن کی سورت کے بعد سورت اور آیت کے بعد آیت نازل ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت کے بعد دوسرے وقت میں اسے نازل کرتا تھا نہ کہ قرآن مخلوق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الذکر سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نصیحت کرتے تھے اور وعظ کرتے تھے۔ اور فرمایا: مِّنْ رَّبِّهِمْ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف وحی کے ساتھ بولتے تھے پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور آپ کا ڈرانا ذکر تھا اور وہ محدث تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ (الغاشیہ) کہا جاتا ہے: فلان فی مجلس الذکر۔ یعنی وعظ کی مجلس میں ہے۔ بعض نے کہا: ذکر سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے یہ حسین بن فضل کا قول ہے اور دلیل کلام کا سیاق ہے۔ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اگر ذکر سے مراد قرآن ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الانعام) اس تاویل کی دلیل یہ بھی ہے: يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (القلم) ان دونوں آیتوں میں مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ فرمایا: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا (الطلاق) اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے ہیں یا آپ کی امت سے قرآن سنتے ہیں۔ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ واو حالیہ ہے اس پر دلیل لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ہے یلعبون کا معنی یلهون ہے بعض نے فرمایا: یشتغلون ہے اگر تاویل کو لہو پر محمول کیا جائے تو جس کے ساتھ وہ لہو کرتے تھے اس کے دو احتمال ہیں۔ (۱) اپنی لذات کے

ساتھ۔ (۲) جوان پر تلاوت کیا جاتا تھا اس کے سماع کے ساتھ۔ اگر اس کی تاویل کو الشغل پر محمول کیا جائے تو جس کے ساتھ وہ مشغول ہوتے تھے اس کے دو احتمال ہیں۔ (۱) دنیا کے ساتھ مشغول ہوتے تھے کیونکہ وہ لہو ولعب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ (محمد: 36) دنیوی زندگی لعب ولہو ہے۔ (۲) وہ اس پر اعتراض کرنے کے ساتھ مشغول ہوتے تھے۔ حسن نے کہا: جب ان کے لیے نیا ذکر آتا تو وہ اس میں غور وفکر نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ قرآن کو استہزاء کرتے ہوئے سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل غافل ہوتے ہیں ذکر الٰہی سے اعراض کیے ہوئے ہوتے ہیں غور و تامل نہیں کرتے یہ عربوں کے قول لهیت عن ذکرہ الشئ سے مشتق ہے۔ جب تو کسی چیز کو ترک کر دے اور اس سے اعراض کرے۔ اَلْهَی لهیًا ولِهْیَانًا، لَاهِیَةً۔ نعت ہے اسم سے مقدم ہے اور نعت کا حق یہ ہوتا ہے کہ تمام اعراب میں موصوف کے تابع ہو جب نعت اسم سے پہلے آجاتی ہے تو منصوب ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خاشعة ابصارهم۔ وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا (الدہر: 14) لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ۔ شاعر نے کہا:

لِعَزَّةَ مُوحِشًا طَلَلُ یَلُوحُ كَأَنَّهُ خِلَلُ

مراد طلل موحش ہے۔ کسائی اور فراء نے لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ رفع کے ساتھ بھی جائز قرار دیا ہے، بمعنی قلوبهم لاهية۔ ان کے علاوہ علماء نے خبر کے بعد ہونے کی بنا پر رفع جائز قرار دیا ہے۔ اور مبتدا مضمر کی بنا پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معنی بھی جائز ہے الا استمعوہ لاهية قلوبهم مگر وہ اسے سنتے ہیں جبکہ ان کے دل غافل ہوتے ہیں۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی ۖ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وہ آپس میں اس کی تکذیب کے ساتھ سرگوشیاں کرتے ہیں پھر بیان فرمایا کہ وہ کون ہیں فرمایا: الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جنہوں نے شرک کیا۔ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا، اَسَرُّوا کی واو سے بدل ہے جو الناس کی طرف راجع ہے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس قول کی بنا پر النجوی پر وقف جائز نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: ان الذین فی الدار انطلقوا بنو عبد اللہ۔ بنو بدل ہے انطلقوا کی واو سے۔ بعض نے فرمایا: مذمت کی بنا پر مرفوع ہے یعنی هم الذین ظلموا بعض نے فرمایا: قول کے حذف کی بنا پر مرفوع ہے۔ تقدیر یوں ہے: یقول الذین ظلموا قول کو حذف کیا گیا جیسے: اَلْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ (الرعد) اس قول کو نحاس نے اختیار کیا ہے۔ فرمایا: اس جواب کی صحت پر دلیل اس کے بعد والی کلام هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اعنی مضمر کی بنا پر منصوب ہے اعنی الذین ظلموا۔ فراء نے اس کا مجرور ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ اس معنی کی بناء پر اقترب للناس الذین ظلموا حسابهم اس ترکیب کی بنا پر النجوی پر وقف جائز نہ ہوگا اور اس سے پہلے تین صورتوں میں وقف جائز ہوگا۔ یہ پانچ اقوال ہیں۔ اخفش نے، اکلونی البراغیث کہنے والوں کی لغت پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ (المائدہ: 71) اسی طرح شاعر نے کہا:

بك نال النِّضالُ دون المساعی فاهتدَیْنَ النِّبالُ للأغراض

ایک اور نے کہا:

ولکن دیافیٌ أبوہ وأمُّہ بحوران یعصرن السّلیط أقاربُہ

کسائی نے کہا: اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے: والذین ظلموا اسروا النجوی۔ ابو عبیدہ نے کہا: اسروا یہاں اضداد میں سے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی کلام کو مخفی کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے کلام کو ظاہر کیا ہو اور اعلانیہ کہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ انہوں نے آپس میں سرگوشی کی۔ کہنے لگے: یہ ذکر جو رسول ہے یا یہ جو تم کو بلاتا ہے نہیں ہے مگر تمہاری مثل بشر، وہ تم سے کسی چیز میں ممتاز نہیں ہے وہ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے جیسا تم کرتے ہو اور انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کی طرف بشر کے علاوہ بھیجنا جائز ہی نہیں ہے تاکہ وہ اس کی بات کو سمجھ سکیں اور وہ انہیں تعلیم دے۔ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ یعنی جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں وہ جادو ہے پھر تم کیوں اس کے پاس آتے ہو اور اس کی پیروی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرگوشیوں پر اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ السحر لغت میں ہر بناوٹی چیز کو سحر کہتے ہیں جس کی حقیقت واضح نہ ہو۔ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۝ بعض علماء نے اس کا معنی کیا ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہاری مثل انسان ہے۔ وانتم تعقلون اس کی مثال ہے کیونکہ عقل اشیاء کو دیکھنا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے کیا تم جادو کو قبول کرتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ یہ جادو ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تم باطل کی طرف لوٹتے ہو جبکہ تم حق کو پہچانتے ہو۔ کلام کے معنی میں توبیخ ہے۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ۝

”(نبی کریم ﷺ نے) فرمایا: میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں: بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ اس نے خود گھڑا ہے اسے (نہیں) بلکہ وہ شاعر ہے (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جسے ہم نے تباہ کیا تھا تو کیا اب یہ لوگ ایمان نہیں لے آئیں گے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین میں جو بات کہی جاتی ہے اس پر مخفی نہیں ہوتی۔ اہل کوفہ کے مصاحف میں قال رب یعنی محمد ﷺ نے کہا: میرا رب قول کو جانتا ہے یعنی وہ جانتا ہے جو تم سرگوشیاں کرتے ہو۔ بعض علماء نے کہا: پہلی قرأت قُلْ رَبِّيْ اولیٰ ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بات کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی پر ظاہر کر دیا اور اسے کہنے کو کہا۔ نحاس نے کہا: دونوں قرأتیں صحیح ہیں اور یہ دو آیتوں کے قائم مقام ہیں ان میں فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا اور آپ ﷺ نے اسی طرح فرمایا جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ، زجاج نے کہا: انہوں نے کہا جو آپ لائے ہیں وہ پریشان خواب ہیں۔ اور دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا وہ ملی جلی باتیں ہیں جیسے پریشان خواب ہوتے ہیں، یعنی ڈراؤنی چیزیں جو آپ خواب میں دیکھتے ہیں؛ یہ معانی مجاہد اور قتادہ نے بیان کیے ہیں، اسی طرح شاعر کا قول ہے:

كضِغْثِ حُلْمٍ غُرَّ مِنه حَالِمُهُ

قتبی نے کہا: اس سے مراد جھوٹے خواب ہیں؛ شاعر کا قول ہے:

أحاديثُ طسْمٍ أو سرابٌ بفدفدٍ ترقرقُ للسّاري وأضغاثُ حالمِ

یزیدی نے کہا: الاضغاث اس خواب کو کہتے ہیں جس کی کوئی تعبیر نہ ہو؛ یہ مفہوم سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ معاملہ اس طرح کا نہیں ہے جس طرح انہوں نے کہا ہے تو وہ اس بات کو چھوڑ کر کہنے لگے: بَلِ افْتَرٰىهُ بلکہ انہوں نے خود گھڑا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر کہنے لگے: بَلْ هُوَ شَاعِرٌ بلکہ نہیں وہ تو شاعر ہے یعنی وہ متحیر ہیں کسی ایک بات پر ٹھہرتے نہیں، کبھی کہا: جادو ہے، کبھی کہا: یہ پریشان خواب ہیں، کبھی کہا: یہ خود گھڑا ہے۔ ایک فریق نے کہا: یہ شاعر ہے۔ الافتراء کا معنی گھڑنا ہے۔ اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ ، یعنی تم بھی اسی طرح کوئی نشانی لاؤ جیسی پہلے رسول لائے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا وغیرہ معجزات لائے تھے اور جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔ اور وہ جانتے تھے کہ قرآن جادو نہیں ہے اور نہ خواب ہے لیکن انہوں نے کہا: مناسب ہے کہ وہ ایسی نشانی لے آئیں جو تم تجویز کرو جبکہ ایک آیت دیکھنے کے بعد ان کے لیے تجویز نہ تھی نیز وہ آیت پر ایمان نہیں لائے تھے یہ اس کی جنس سے تھی جس کو وہ لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی تو پھر وہ کسی دوسری نشانی پر کیسے ایمان لے آئیں گے؟ اگر وہ مادر زاد اندھے کو بینا کر دے اور کوڑھی کے مریض کو درست کر دے تو کہیں گے: یہ باب الطب سے ہے یہ ہماری شان نہیں کہ ان کی ہر بات کو پورا کرتے رہیں۔ ان کا سوال ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنا پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی نشانیاں دکھائی تھیں جن میں کفایت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو جو وہ سوال کرتے ہم انہیں عطا فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (الانفال)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے اور فرعون کی قوم ہے۔ اَهْلَكْنٰهَا یعنی ہمارے علم میں ان کی ہلاکت تھی۔ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وہ تصدیق کرتے ہیں یعنی وہ آیات پر ایمان نہ لائے تو انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا گیا اگر یہ بھی آیات دیکھ لیں گے جو یہ تجویز کرتے ہیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے عقاب کو مؤخر کیا کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی صلبوں میں ایمان والے ہیں اور مِّنْ قَرْيَةٍ میں من زائدہ ہے جیسے اس ارشاد میں زائدہ ہے، فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

تَعۡلَمُوۡنَ ۞ وَ مَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ۞ ثُمَّ صَدَقۡنٰهُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَیۡنٰهُمۡ وَ مَنۡ نَّشَآءُ وَ اَهۡلَكۡنَا الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۞ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ كِتٰبًا فِیۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۞

''اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف پس (اے منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بنائے ہم نے انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔ بیشک ہم نے اُتاری تمہاری طرف کتاب جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے، کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ یہ ان پر رد ہے جو انہوں نے کہا تھا: هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ اپنے نبی کو تسلی دی یعنی ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں کو۔ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞ اس سے مراد اہل تورات اور انجیل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ اس کو اہل ذکر کہا ہے کیونکہ وہ انبیاء کی خبروں کا ذکر کرتے تھے جن کو عرب نہیں جانتے تھے کفار قریش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کو اہل کتاب کی طرف لوٹاتے تھے۔ ابن زید نے کہا: الذکر سے مراد قرآن ہے، یعنی اہل قرآن میں سے جاننے والے مومنین سے پوچھ۔ جابر جعفی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اہل ذکر ہیں۔ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ رسل، بشر ہی تھے معنی یہ ہے انکار کے ساتھ اور اپنے قول کہ مناسب ہے کہ رسول ملائکہ سے ہو سے آغاز نہ کرو بلکہ تم مومنین سے مناظرہ کرو تا کہ وہ تمہیں بیان کریں کہ انسانوں سے رسول ہونا جائز ہے۔ فرشتے کو رجل نہیں کہا جاتا کیونکہ رجل کا لفظ اس پر واقع ہوتا ہے جس کی لفظ سے ضد ہو جیسے تو کہتا ہے: رجل و امرأۃ۔ رجل و صبی، اِلَّا رِجَالًا کا قول کہ بنی آدم سے مرد تھے۔ حفص اور کسائی نے نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ پڑھا ہے۔

مسئلہ: علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں اور فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ سے علماء مراد ہیں۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ نابینا شخص اس کی تقلید کرے جس پر وثوق ہو قبلہ کی تمیز کرنے میں جب اس پر قبلہ تلاش کرنا مشکل ہو جائے۔ اسی طرح وہ شخص جس کو علم نہیں تو وہ علماء کی تقلید کرے۔ اسی طرح علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں کو فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ ان معانی سے ناواقف ہوتے ہیں جن سے حرمت وحلت جائز ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ ھم ضمیر کا مرجع انبیاء ہیں یعنی ہم نے آپ سے پہلے ایسے رسل نہیں بنائے جو بشری طبائع سے خارج ہوں اور وہ کھانے، پینے کے محتاج نہ ہوں۔ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ۞ وہ فوت نہ ہوں گے۔ یہ ان کے قول کا جواب ہے: هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ اور ان کے اس قول کا جواب ہے جو انہوں نے کہا: مَالِ

هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ (الفرقان: 7)۔ جَسَدًا، اسم جنس ہے اسی لیے اجساد نہیں فرمایا۔ بعض علماء نے فرمایا: اجساداً نہیں فرمایا کیونکہ وماجعلنا کل واحدٍ منہم جسدً امرادلیا ہے۔ الجسد بدن کو کہتے ہیں؛ اسی سے ہے تجسّد جس طرح تو جسم سے تجسّم کہتا ہے۔ الجسد، زعفران اور اس جیسے رنگ کو بھی کہتے ہیں، خون کو بھی کہتے ہیں؛ نابغہ نے کہا:

وما هُرِيقَ على الأنصاب من جَسَدِ

کلبی نے کہا: الجسد سے مراد وہ جسد والا ہے جس میں روح ہو، کھاتا پیتا ہو، اس قول کی بنا پر جو کھاتا پیتا نہ ہو وہ جسم ہوگا۔

مجاہد نے کہا: جسد سے مراد وہ ہے جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو اس قول کی بنا پر جو کھاتا پیتا ہو وہ نفس ہوگا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ هم ضمیر کا مرجع انبیاء ہیں یعنی ہم نے ان کو نجات دینے، ان کی مدد کرنے اور ان کو جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ سچا کیا۔ وَ مَنْ نَّشَآءُ یعنی جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی۔ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ہم نے مشرکوں کو ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا یعنی قرآن ہم نے تمہاری طرف نازل کیا۔ فِيْهِ ذِكْرُكُمْ کُمْ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ کتاب کی نعت ہے۔ یہاں ذکر سے مراد شرف ہے یعنی تمہارے لیے قرآن میں شرف ہے جیسے: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) پھر اس استفہام کے ذریعے انہیں متنبہ کیا جن کا معنی توقیف ہے فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: فِيْهِ ذِكْرُكُمْ کا مطلب ہے تمہارے دین کے امر کا ذکر ہے تمہاری شریعت کے اس میں احکام ہیں اور اس میں ثواب اور عقاب کا ذکر ہے جس کی طرف تم نے لوٹنا ہے کیا تم غور نہیں کرتے ان چیزوں میں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ مجاہد نے کہا: فِيْهِ ذِكْرُكُمْ کا مطلب ہے اس میں تمہاری بات ہے۔ بعض نے فرمایا: تمہارے مکارم اخلاق کا ذکر ہے تمہارے اعمال کے محاسن کا ذکر ہے۔ سہل بن عبداللہ نے کہا: اس میں وہ عمل ہے جس میں تمہاری زندگی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام اقوال ہم معنی ہیں۔ پہلا قول عام ہے کیونکہ یہ سراپا شرف ہے یہ کتاب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، یہ ہمارے لیے شرف ہے اگر ہم اس کے احکام کے مطابق عمل کریں اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: القرآن حجة لك او عليك۔ قرآن تیرے لیے حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔

وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

''اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرما دی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم۔ پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔

اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تا کہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے: وائے شومئے قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ پس یونہی شور و پکار کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت (اور) بجھے ہوئے (انگاروں) کی طرح کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً قریۃ سے مراد وہ شہر ہیں جو یمن میں تھے۔ اہل تفسیر اور مؤرخین نے کہا: اس سے مراد اہل حضور ہیں۔ یہ قوم وہ تھی جن کی طرف ایک نبی کو مبعوث کیا گیا تھا جس کا نام شعیب بن ذی مہدم تھا اور اس شعیب نبی کی قبر یمن میں ایک پہاڑ کے پاس ہے جس کو ضنن کہا جاتا ہے اس میں کثیر نمک ہے۔ یہ شعیب صاحب مدین نہیں ہیں کیونکہ حضور کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت سے پہلے کا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدت سے دو سو سال بعد ہوا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو قتل کیا تھا اور اصحاب الرس نے اسی تاریخ میں اپنے نبی کو قتل کیا تھا ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ حضور شہر حجاز کی زمین شام کی طرف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کی طرف وحی کی کہ بخت نصر کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ میں نے اسے عرب کی زمین پر تسلط بخشا ہے اور میں تیرے ذریعے ان سے انتقام لینے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارمیان کی طرف وحی کی کہ معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے عراق کی زمین کی طرف بھیج تا کہ اسے ان کے ساتھ عذاب اور مصیبت نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی صلب سے نبی آخر الزماں کو نکالنے والا ہوں جس کا نام محمد ہے۔ معد کو ارمیا نے سوار کیا جبکہ وہ بارہ سال کا تھا۔ معد، بنی اسرائیل کے ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا اور ایک عورت سے نکاح کیا جس کا نام عانہ تھا۔ پھر بخت نصر لشکروں کو لے کر گیا اور عربوں کے لیے کمین گاہیں بنائیں یہ پہلا شخص تھا جس نے کمین گاہیں بنائی تھیں۔ پھر اس نے اہل حضور پر کئی حملے کیے انہیں قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا اور آبادیوں کو خراب کیا اس نے حضور شہر کا نام و نشان مٹا دیا پھر وہ السواد کی طرف لوٹا۔ كَمْ، قَصَمْنَا کی وجہ سے منصوب ہے۔ القصم کا معنی توڑ پھوڑ کرنا ہے، کہا جاتا ہے: قصمت ظهر فلان۔ فلاں کی پیٹھ میں نے توڑ دی۔ انقصمت سنۃ اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ یہاں القصم کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ الفصم (فاء) کسی چیز میں ایسی پھٹن جو واضح نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

كأنه دُمْلُجٌ من فِضَّةٍ نَبَهٌ   في مَلْعَبٍ من عَذَارَى الحيِّ مَفْصُومُ

اسی سے حدیث ہے: فيفصم عنه وإن جبينه ليتفصد عرقاً (1) جب آپ سے وحی ختم ہوئی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا تھا۔

كَانَتْ ظَالِمَةً یعنی اس شہر والے کافر تھے۔ الظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا۔ انہوں نے کفر کو ایمان کی جگہ رکھا۔ وَّ اَنْشَاْنَا یعنی ہم نے ان کو ہلاک کرنے کے بعد قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۝ دوسری قوم کو پیدا کیا۔ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا۔ کہا جاتا ہے: أحسست منه ضعفاً۔ میں نے اس سے کمزوری محسوس کی۔ اخفش نے کہا: اَحَسُّوْا کا معنی ہے خافوا وتوقعوا خوف کھایا اور توقع کی۔ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۝ یعنی وہ بھاگ رہے تھے۔ الرکض کا

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 26198۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث عائشہ 2

معنی ہے تیزی سے دوڑنا۔ الرکض کا معنی ہے پاؤں کو حرکت دینا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ (ص: 42) رکضت الفرس برجلی یعنی میں نے گھوڑے کو دوڑنے پر ابھارا۔ پھر یہ کثرت سے استعمال ہونے لگا حتی کہ بعض نے کہا: رکض الفرس جب گھوڑا دوڑتا۔ یہ اصل نہیں ہے درست یہ ہے کہ رُکض الفرس ہو گھوڑا دوڑایا گیا۔ فھو مرکوض۔ لَا تَرْكُضُوْا یعنی نہ بھاگو۔

وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ یعنی تم ان نعمتوں کی طرف لوٹو جو تمہارے تکبر و غرور کا سبب تھیں۔ المترف جس پر انعام کیا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے: اترف علی فلان یعنی معیشت میں اسے خوشحالی دی گی ہے۔ انما اترفهم الله عزّ وجلّ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشحالی دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومنون: 33) ہم نے دنیوی زندگی میں انہیں خوشحالی دی۔ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ تا کہ تم سے دنیا کی کسی چیز کا سوال کیا جائے: یہ ان سے استہزاء کیا گیا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ کس وجہ سے تمہیں یہ سزا دی گئی پھر تم اس کے متعلق خبر دو؟ بعض نے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ تا کہ تم سے ایمان لانے کا سوال کیا جائے جیسا کہ تم پر عذاب کے نزول سے پہلے یہ سوال کیا گیا تھا ان کو یہ استہزاء، تقریع اور توبیخ کے لیے کہا جائے گا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ جب ملائکہ نے انہیں کہا: بھاگو مت اور کہا: انبیاء کا بدلہ ہے۔ انہوں نے کلام کرتے ہوئے کوئی شخص نہ دیکھا (جبکہ یہ آواز آرہی تھی) تو وہ جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے انبیاء کو قتل کیا ہے جو ان کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ اس وقت ان لوگوں نے کہا: يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ انہوں نے ظالم ہونے کا اعتراف اس وقت کیا جب ان کا اعتراف نفع بخش نہ تھا۔ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے: يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ شومئ قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا تلواروں کے ساتھ انہیں اس طرح کاٹ دیا جس طرح کھیتی درانتی کے ساتھ کاٹی جاتی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ حسن نے کہا: عذاب کے ساتھ ہم نے انہیں کاٹ دیا۔ خٰمِدِيْنَ ۝ مردہ تھے۔ الخمود کا معنی ہے آگ کی طرح بجھ جانا۔ زندگی کے بجھ جانے کو آگ کے بجھ جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے جو مر جاتا ہے: قد طفیٔ آگ کے بجھ جانے کیساتھ تشبیہ دیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لیے ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو

کچھ ان کے اندر ہے اسے عبث اور باطل نہیں بنایا بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان کا خالق اور قادر ہے جس کے امر کی پیروی لازم ہے وہ مجرم اور نیک کام کرنے والے کو بدلہ دے گا یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو پیدا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کریں اور انکار کریں اور جو انہیں حکم دیا گیا ہے اس کی مخالفت کریں پھر مرجائیں اور انہیں جزا نہ دی جائے اور وہ دنیا میں نیکی کا حکم نہ دیں اور بری چیز سے منع نہ کریں۔ یہ لعب ہے جس سے حکیم کی نفی کی گئی ہے اور اس کی ضد حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا جب ایک قوم نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا، اللھو سے مراد یمنی لغت میں عورت ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ عقبہ بن ابی جسرہ نے کہا: طاؤس، عطا اور مجاہد ان سے لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا کے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا: اللھو سے مراد زوجہ ہے؛ یہ حسن کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللھو سے مراد بچے ہیں؛ حسن کا یہ بھی قول ہے۔ جوہری نے کہا: اللھو جماع سے کنایہ ہے۔

میں کہتا ہوں امرء القیس کا قول ہے:

أَلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ اليومَ أَنَّنِي كَبِرْتُ وأَلَّا يُحْسِنَ اللَّهْوَ أَمْثَالِي

جماع کو لہو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دل کو غافل کرنے کا عمل ہے، جیسے شاعر نے کہا:

فِيهِنَّ مَلْهًى للصديقِ ومَنْظَرُ

جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا سے مراد عورت ہے۔ کہا جاتا ہے: ولداً یعنی بچہ۔ لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ یعنی ہم اپنی طرف سے نہ کہ تمہاری طرف سے۔ ابن جریج نے کہا: اہل سماء کی طرف سے نہ اہل زمین کی طرف سے۔ بعض نے فرمایا: یہ ان کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں یعنی تمہارا گھڑا ہوا بت ہماری اولاد کیسے ہو سکتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: یہ آیت نصاریٰ کا رد ہے۔ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝ قتادہ، مقاتل، ابن جریج اور حسن نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ایسا کرنے والے نہیں جیسے: اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ۝ (فاطر) یعنی تو نہیں ہے مگر ڈرانے والا۔ اِنْ نفی کے معنی میں ہے۔ لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ پر کلام مکمل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ شرط کے معنی پر ہے یعنی اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں کیونکہ ہمارے لیے اولاد ہونا محال ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو ہم جنت، دوزخ، موت، بعث، حساب پیدا نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اگر ہم کسی کو متبنیٰ بناتے تو ہم ملائکہ میں سے بناتے۔ اس کی طرف ایک قوم کا رجحان ہے کیونکہ ارادہ متبنیٰ کے ساتھ متعلق ہے رہا اولاد بنانا تو یہ محال ہے۔ ارادہ مستحیل کے متعلق نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ، القذف کا معنی ہے پھینکنا، یعنی ہم حق کو باطل پر مارتے ہیں۔ فَيَدْمَغُهٗ تو وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ الدمغ سر کے زخم کو کہتے ہیں۔ یہاں الحق سے مراد قرآن ہے اور باطل سے مراد شیطان ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: باطل وہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ صفات کرتے تھے۔ (مثلاً یہ کہ) اس کا بیٹا تو ان کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب کی۔ بعض نے فرمایا: الحق سے مراد حجت ہے۔ باطل سے مراد ان کے شبہات ہیں۔ بعض نے فرمایا:

الحق سے مراد مواعظ ہیں۔ باطل سے مراد معاصی ہیں۔ یہ معانی قریب قریب ہیں۔ قرآن حجت اور مواعظ کو متضمن ہے۔ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ یعنی باطل ہلاک ہونے والا ہے اور تلف ہونے والا ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وَلَكُمُ الْوَيْلُ یعنی تمہارے لیے آخرت میں عذاب ہے کیونکہ تم نے رب کے لیے ایسی صفات بیان کیں جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْوَيْلُ جہنم میں ایک وادی ہے، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ جو وہ جھوٹ بولتے ہیں؛ یہ قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے۔ اس کی مثال: سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ (الانعام:139) یعنی اس کے جھوٹ کی انہیں جزا دے گا۔ بعض نے فرمایا: وہ اللہ کی ایسی صفات بیان کرتے ہیں جو محال ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا ہے۔

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝

''اور اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات، دن اور وہ اکتاتے نہیں۔ کیا بنالیے ہیں انہوں نے خدا (اہل) زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہر چیز اس کی ملک اور تخلیق ہے پھر جو اس کا عبد اور خلق ہے اس کا خیر ہونا کیسے جائز ہے۔ وَ مَنْ عِنْدَهٗ یعنی وہ ملائکہ جن کا تم ذکر کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ سرکشی نہیں کرتے اس کی اطاعت سے۔ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ نہ وہ تھکتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یہ الحسیر سے ماخوذ ہے وہ اونٹ جو تھکنے کی وجہ سے جدا ہو جائے۔ کہا جاتا ہے: حسر البعير يحسر حسورا اونٹ تھک گیا۔ استحسر اور تحسر ہم مثل ہیں حسرته أنا حسرا کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔ أحسرته ايضا فهو حسير ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے وہ اکتاتے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ عار نہیں سمجھتے۔ ابو زید نے کہا: وہ تھکتے نہیں۔ بعض نے فرمایا: وہ کمزور نہیں ہوتے؛ یہ ابن اعرابی نے ذکر کیا ہے۔ تمام کا مفہوم ایک ہی ہے۔ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ یعنی وہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ لَا يَفْتُرُوْنَ یعنی وہ کمزور نہیں پڑتے اور اکتاتے نہیں انہیں تسبیح و تقدیس الہام کی جاتی ہے جس طرح نفس الہام کیے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن حرث نے کہا: میں نے کعب سے پوچھا میں نے کہا: کیا کبھی تسبیح سے انکا اعراض بھی ہوتا ہے؟ کسی اور چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: بنی عبدالمطلب سے ہوں۔ تو انہوں نے مجھے گلے لگالیا اور کہا: اے میرے بھتیجے! کیا سانس سے کبھی تجھے کوئی چیز غافل کرتی ہے؟ تسبیح ان کے لیے سانس کی طرح ہے۔ اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ملائکہ، بنی آدم سے افضل ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ مفضل نے کہا: اس استفہام سے مقصود انکار

ہے یعنی انہوں نے اہل زمین سے ایسے خدا نہیں بنائے جو زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: اَمْ بمعنی ھل ہے یعنی کیا ان مشرکوں نے اہل زمین سے ایسے خدا بنا لیے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اَمْ یہاں بل کے معنی میں نہ ہوگا کیونکہ یہ ان کے لیے مردوں کو پیدا کرنے کا موجب ہے مگر یہ کہ اَمْ کو استفہام کے ساتھ مقدر کیا جائے۔ پس اَمْ منقطعہ ہوگا، پس یہ معنی صحیح ہوگا؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اَمْ معنی پر معطوف ہے یعنی کیا ہم نے زمین اور آسمان کو کھیل بنایا یا یہ جو انہوں نے ہماری طرف منسوب کیا ہے ان کے لیے کوئی شبہ کا مقام ہے یا کیا جو اہل زمین سے خدا بنائے ہیں مردوں کو زندہ کرتے ہیں کیا انہیں کوئی شبہ ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ پھر معاتبہ کے ساتھ اس پر عطف کیا ہے۔ ان دونوں تاویلوں پر اَمْ متصل ہوگا۔ جمہور نے یُنْشِرُوْنَ یا کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ أنشر الله الميت، فنشر سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ حسن نے یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ زندہ ہوتے ہیں اور مرتے نہیں۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

"اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں پرسش کی جا سکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی۔ کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود، (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے: پیش کرو اپنی دلیل یہ قرآن جو نصیحت ہے میرے ساتھ والوں کے لیے اور دوسری کتب جو نصیحت ہیں میرے پیشرووں کے لیے (سب موجود ہیں ان کا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لیے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین میں اور معبود ہوتے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے۔ کسائی اور سیبویہ نے کہا: الا بمعنی غیر ہے جب الا بمعنی غیر ہوتا ہے تو اس کے بعد والے اسم کو غیر کے اعراب کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے، جیسا شاعر کا قول ہے:

وكلُّ أخٍ مفارقُه أخوهُ لَعَمْرُ أبيكَ إلّا الفرقدانِ

سیبویہ نے حکایت کیا ہے: لوكان معنا رجل إلا زيد لهلكنا۔ فراء نے کہا: یہاں الا بمعنی سوی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا خدا ہوتے تو ان کے رہنے والے تباہ ہو جاتے۔ دوسرے علماء نے کہا: اگر ان میں دو خدا ہوتے تو تدبیر خراب ہو جاتی کیونکہ اگر ایک ایک چیز کا ارادہ کرتا اور دوسرا دوسری چیز کا ارادہ کرتا تو ایک ضرور عاجز آتا۔ بعض علماء نے فرمایا: لَفَسَدَتَا

کا معنی ہے دونوں خراب ہو جاتے اور شرکاء کے درمیان واقع کے اختلاف کے ساتھ تنازع کے وقوع کی وجہ سے ان میں جو کچھ ہے ہلاک ہو جاتے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اپنی پاکیزگی بیان فرمائی اور بندوں کو حکم دیا کہ اس کی شریک یا بیٹے سے پاکیزگی بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ یہ قدریہ وغیرہ کا رد ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوق اس سے اس کے فیصلہ کے متعلق نہیں پوچھ سکتی جو وہ اپنی مخلوق کے بارے میں فرماتا ہے لیکن وہ مخلوق سے ان کے اعمال کے بارے پوچھے گا کیونکہ وہ اس کے بندے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ کل جن سے ان کے اعمال کے متعلق مواخذہ ہوگا جیسے مسیح اور ملائکہ تو وہ خدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے افعال کا مواخذہ نہ ہوگا جبکہ لوگوں کا مواخذہ ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! کیا ہمارا رب پسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے؟ حضرت علی نے فرمایا: کیا ہمارے رب کی جبراً نافرمانی کی جائے گی؟ اس شخص نے کہا: آپ بتائیں اگر اس نے مجھے ہدایت سے روکا اور مجھے ہلاکت دی تو کیا اس نے مجھ سے احسان کیا یا برا کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو وہ تجھے تیرے حق سے منع کرے گا تو تیرے ساتھ اچھا نہیں کرے گا اور اگر اپنا فضل تجھ سے روک لے گا تو وہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝، (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان سے کلام فرمائی اور ان پر تورات نازل کی تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تو عظیم رب ہے اگر تو چاہے کہ تیری اطاعت کی جائے تو تیری اطاعت کی جائے گی، اگر تو چاہے کہ تیری نافرمانی کی جائے تو تیری نافرمانی کی جائے گی تو پسند کرتا ہے کہ تیری اطاعت کی جائے جبکہ اس میں تیری نافرمانی نہیں کی جاتی ہے۔ یارب! یہ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: جو میں کرتا ہوں اس پر مجھ سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے باز پرس کی جائے گی (2)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنانے میں توبیخ میں مبالغہ کے لیے تعجب کا اعادہ کیا، یعنی ان کی صفت انشاء و احیاء میں ایسی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس ام بمعنی ھل ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ تم اس پر دلیل لاؤ۔ بعض علماء نے فرمایا: پہلا احتجاج معقول کی حیثیت سے ہے کیونکہ فرمایا: هُمْ يُنْشِرُوْنَ وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہ تو بہت دور ہے۔ اور دوسرا احتجاج منقول کے ساتھ ہے یعنی اس جہت سے دلیل لاؤ کونسی کتاب میں یہ نازل ہوا ہے؟ قرآن میں یا دوسری کتب میں جو دوسرے انبیاء پر اتریں؟۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ قرآن میں توحید کے اخلاص کا ذکر ہے۔ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ تورات اور انجیل میں اور جو کتابیں نازل ہوئیں سب میں توحید کے اخلاص کا ذکر ہے۔ دیکھو کیا منزل شدہ کتب میں سے کسی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو خدا بنانے کا حکم دیا ہے؟ شرائع جو توحید کے متعلق ہیں مختلف نہیں ہیں۔ صرف اوامر و نواہی میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ جو

1۔ التمہید، ابن عبد البر، جلد 6، صفحہ 65،64
2۔ طبرانی، الکبیر، 10606

حلال اور حرام میں سے ان کو لازم ہوا یہ میرے ساتھیوں کے لیے ہے۔ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ مجھ سے پہلی امتوں کے لیے نصیحت ہے جو ایمان کے ساتھ نجات پا گئے اور شرک کر کے ہلاک ہو گئے۔ بعض علماء نے فرمایا: ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ یعنی ایمان پر ثواب اور کفر پر عقاب جو ان کے لیے ہے۔ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ پہلی امتوں کے ساتھ جو دنیا میں کیا گیا اور جو آخرت میں ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کلام کا معنی وعید اور تہدید ہے یعنی جو چاہو تم کرو، عنقریب پردہ اٹھ جائے گا۔ ابو حاتم نے حکایت کیا ہے کہ یحییٰ بن یعمر اور طلحہ بن مصرف نے هٰذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِيْ پڑھا ہے تنوین کے ساتھ اور میم کے کسرہ کے ساتھ۔ ابو حاتم نے کہا: اس کی کوئی وجہ نہیں۔ ابو اسحاق زجاج نے اس قرات کے بارے میں کہا: اس کا معنی ہے یہ نصیحت ہے اس میں سے جو میری طرف نازل کیا گیا اور اس میں سے جو میرے پاس ہے اور جو مجھ سے پہلے تھا۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو میں لے کر آیا ہوں یہ وہی ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء لے کر آئے تھے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ ابن محیصن اور حسن نے الحقُّ پڑھا ہے بمعنی ھو الحق۔ اور ھذا ھو الحق۔ اس بنا پر لَا يَعْلَمُوْنَ پر وقف ہوگا اور نصب کی قرأت کی صورت میں اس پر وقف نہ ہوگا۔ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ یعنی وہ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور وہ حق قرآن ہے پس وہ توحید کی حجت میں غور و فکر ہی نہیں کرتے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلا شبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ حفص، حمزہ اور کسائی نے نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ نون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پہلے اَرْسَلْنَا آیا ہے۔ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ہم نے سب کو کہا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عقلی دلائل شاہد ہیں کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور تمام انبیاء سے نقل بھی موجود ہے۔ دلیل کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں عقلی یا نقلی۔ قتادہ نے کہا: ہر نبی توحید کے پیغام کے ساتھ بھیجا گیا جبکہ تورات، انجیل اور قرآن میں شرائع مختلف تھے یہ تمام اخلاص اور توحید پر مشتمل ہیں۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

"وہ کہتے ہیں: بنا لیا ہے رحمٰن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو

کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے۔ اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی، یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ یہ خزاعہ قبیلہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ اس امید سے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کریں گے۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: یہودیوں نے کہا معمر نے اپنی روایت میں کہا لوگوں میں سے ایک طائفہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنوں سے رشتہ جوڑا اور ملائکہ جنوں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وہ اس سے پاک ہے۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۞ بلکہ ملائکہ تو اس کے معزز بندے ہیں ایسا نہیں جیسا کہ کفار نے کہا ہے۔ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ کو زجاج کے نزدیک منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس معنی پر بل اتخذ عبادا مکرمین، الولد کا لفظ یہاں جمع کے لیے ہے کبھی واحد اور جمع کے لیے ولد استعمال ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ الولد کا لفظ جنس کے لیے ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے: لفلان مال، لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ یعنی وہ نہیں کہتے حتی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور وہ نہیں بولتے مگر جس کے ساتھ بولنے کا اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۞ وہ اس کی طاعت و اوامر کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ یعنی وہ اسے بھی جانتا ہے جو انہوں نے عمل پہلے کیا اور اسے بھی جانتا ہے جو یہ کر رہے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ کا معنی ہے جو آخرت میں ہوگا۔ وَ مَا خَلْفَهُمْ جو دنیا میں تھا؛ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے، دوسرا قشیری نے ذکر کیا ہے۔ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دینے والے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ہر وہ شخص مراد ہے جس سے اللہ راضی ہوگا۔ ملائکہ قیامت کے روز شفاعت کریں گے جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے اور دنیا میں بھی فرشتے مومنین کے لیے اور اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کی نص موجود ہے: وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۞ فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہیں وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ قتادہ اور ضحاک وغیرہما نے کہا: اس آیت سے مراد ابلیس ہے جس نے شرکت کا دعویٰ کیا تھا اس نے اپنی عبادت کی طرف بلایا جبکہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔ اس کے علاوہ ملائکہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں خدا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو ایسا کہے گا فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ اگرچہ وہ عصمت کے ساتھ عزت دیے گئے ہیں پھر بھی وہ عبادت کرتے ہیں وہ عبادت پر مجبور نہیں ہیں جیسا کہ بعض جہلاء کا خیال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل آسمان سے افضل ہیں۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۞ یعنی جس طرح اس کو ہم نے آگ کے ساتھ جزا دی اسی طرح ہم ان ظالموں کو جزا دیں گے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کے لیے الوہیت اور عبادت کا قول وضع کرتے ہیں۔

اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا

مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝

''کیا کبھی غور نہیں کیا کفروانکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا انہیں اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز، کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تا کہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ اور بنا دیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تا کہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں۔ اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل ونہار کو اور مہر و ماہ کو سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اکثر کی قرأت أولم یرو، واؤ کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن، حمید، شبل بن عباد نے الم یر، بغیر واو کے پڑھا ہے اسی طرح مکہ کے مصحف میں ہے، اَوَ لَمْ یَرَ بمعنی یعلم ہے۔ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا، كَانَتَا یہ دو قسمیں ہیں جیسے عرب کہتے ہیں: هما لقاحان اسودان جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا (فاطر: 41) ابو اسحاق نے کہا: السماوات کو لفظ سماء سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ السماوات ایک سماء تھے۔ اسی طرح الأرضون ہے۔ رتقا فرمایا، رتقین نہیں فرمایا کیونکہ یہ مصدر ہے، معنی یہ ہے کانتا ذواتی رتق۔ حسن نے رتقا، کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے کہا: یہ درست ہے یہ ایک لغت ہے۔ الرتق کا معنی سد (بند) ہے اور یہ الفتق (پھٹنا) کی ضد ہے۔ رَتَقْتُ الْفَتْقَ أَرْتُقُهُ فارتق میں نے پھٹن کو ملایا تو وہ جڑ گئی۔ اسی سے الرتقاء ہے وہ عورت جس کی فرج ملی ہوئی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، عطا، ضحاک اور قتادہ نے فرمایا: یہ ایک چیز تھے، ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے ان کے درمیان فاصلہ کیا، اسی طرح کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یہ ایک دوسرے کے اوپر تھے پھر اس کے وسط میں ہوا پیدا کی تو ہوا کے ذریعے ان کو جدا جدا کر دیا اور آسمان سات بنائے زمینیں بھی سات بنائیں: یہ قتبی نے عیون الاخبار میں اسماعیل بن ابی خالد سے اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا الخ کے تحت حکایت کیا ہے فرمایا: آسمان ایک مخلوق تھی اور زمین ایک مخلوق تھی پھر ایک آسمان سے سات آسمان بنائے اور اس ایک زمین سے سات زمینیں بنائیں۔ اوپر والی زمین بنائی تو اس کے رہائشی جن وانس بنائے اس میں نہریں نکالیں اور اس میں پھل اگائے اس میں دریا بنائے اور اس کو رعاء نام دیا اس کا عرض پانچ سو سال ہے پھر دوسری زمین کو تخلیق کیا تو اس کا عرض اور موٹائی بھی پہلی زمین کی طرح تھا اس میں کئی قومیں بنائیں، ان کے منہ کتوں کے موہنوں کی طرح

ہیں، ہاتھ انسانوں کی طرح ہیں، کان گائیوں کے کانوں کی طرح ہیں، ان کے بال بکریوں کے بالوں کی طرح ہیں۔ جب قیامت قریب آئے گی تو زمین انہیں یاجوج وماجوج پر پھینک دے گی اس زمین کا نام الدکماء ہے۔ پھر تیسری زمین کو پیدا کیا اس کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس سے ہوا زمین کی طرف آتی ہے۔ چوتھی زمین میں تاریکی اور ان بچھوؤں کو پیدا کیا جو دوزخیوں کے لیے ہیں وہ کالے خچروں کی طرح ہیں ان کے دم گھوڑوں کے دموں کی مثل لمبے ہیں وہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں پس وہ بنی آدم پر مسلط کیے جاتے ہیں۔ پھر الله نے پانچویں زمین کو پیدا فرمایا جو موٹائی اور طول وعرض میں پہلی کی مثل ہے اس میں زنجیریں، بیڑیاں اور قیود ہیں جو دوزخیوں کے لیے ہیں۔ پھر چھٹی زمین کو پیدا فرمایا اس کا نام ماد ہے اس میں کالے پتھر ہیں اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تیار کی گئی۔ قیامت کے روز ان پتھروں کو نکالا جائے گا ان میں سے ہر پتھر بڑے پہاڑ کی مانند ہوگا یہ کبریت سے کفار کے گلے میں لٹکائے جائیں گے پھر وہ بھڑکائے جائیں گے حتی کہ وہ ان کے چہروں اور ہاتھوں کو جلا دیں گے۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) پھر الله تعالیٰ نے ساتویں زمین کو پیدا کیا اس کا نام عربیۃ ہے اس میں جہنم ہے۔ اس میں دو دروازے ہیں ایک کا نام سجین ہے اور دوسرے کا نام الفلق ہے، سجین کھلا ہوا ہے کفار کا نامہ اعمال اس تک پہنچتا ہے، اس پر اصحاب مائدہ اور قوم فرعون پیش کیے جاتے ہیں۔ رہا الفلق دروازہ تو وہ بند ہے قیامت تک نہیں کھولا جائے گا۔ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ سات زمینیں ہیں ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کا مزید بیان سورۃ الطلاق کے آخر میں آئے گا۔ تیسرا قول عکرمہ، عطیہ، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے جو مہدوی نے ذکر کیا ہے کہ آسمان ملے ہوئے تھے بارش نہیں برساتے تھے اور زمین ملی ہوئی تھی اس پر کچھ نہیں اگتا تھا۔ پس آسمان کو بارش کے ساتھ پھاڑا اور زمین کو نبات کے ساتھ کھولا اس کی مثال یہ آیت ہے: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ (الطارق) اس قول کو طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس کے بعد ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۭ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۔

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ از روئے مشاہدہ اور معاینہ کے اعتبار سے واقع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے متعلق دوسری آیات میں خبر دی تاکہ اس کے کمال قدرت اور جزا پر دلالت کرے۔ شاعر نے کہا:

یَهُونُ علیهم إذا یَغضبو　نَ سخطُ العداۃ وإرغامُها
ورَتْقُ الفُتوق وفَتْقُ الرَّتو　قِ ونَقْضُ الأمورِ وإبرامُها

اور الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اس میں تین تاویلات ہیں: (۱) ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ (۲) ہر چیز کی زندگی کی حفاظت پانی کے ذریعے کی۔ (۳) صلب کے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، یہ قطرب کا قول ہے(1)۔ وَجَعَلْنَا بمعنی خلقنا ہے۔ ابو حاتم بستی نے اپنی مسند الصحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرا دل خوش ہوتا ہے، میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی

1۔ النکت والعیون، جلد 3، صفحہ 444

ہیں مجھے ہر چیز کے متعلق بتایئے۔ فرمایا: ''ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے''۔ ابوحاتم نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول: انبئنی عن کل شیٔ (مجھے ہر چیز کے متعلق بتایئے) اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ اس کی صحت پر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے''۔ اگرچہ مخلوق نہ تھی۔ یہ آسمانوں اور زمین کے رتقا ہونے کے علاوہ یہ دوسری حجت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الکل یذکر بمعنی البعض ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (النمل: 23) اور ارشاد ہے: تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ (الاحقاف: 25) صحیح عموم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل شی خلق من الماء ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۝ یعنی کیا وہ جو مشاہدہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے تصدیق نہیں کرتے یہ سب کچھ خود بخود تو نہیں ہوا بلکہ کسی بنانے والے کے بنانے سے ہوا اور کسی مدبر کی تدبیر سے سب کچھ ہوا اور اس مکون کا حادث ہونا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ یعنی ثابت وقائم پہاڑ۔ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ یعنی تا کہ ان کے ساتھ لرزتی نہ رہے اور حرکت نہ کرتی رہے تا کہ اس پر قرار مکمل ہو؛ یہ کوفیوں کا قول ہے۔ بصریوں نے کہا: معنی ہے کراہیۃ۔ اَنْ تَمِیْدَ یعنی حرکت کرنے کی کراہیت کی وجہ سے۔ المید کا معنی حرکت کرنا اور گردش کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے: ماد راسہ یعنی اس کا سر چکرایا اس پر تفصیلی گفتگو سورۃ النحل میں گزر چکی ہے۔ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا یعنی ان پہاڑوں میں راستے بنائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الفجاج راستے۔ الفج دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے زمین میں راستے بنائے، یہ طبری کا اختیار ہے کیونکہ فرمایا: لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ۝ زمین میں چلنے کی طرف ہدایت پائیں۔ سُبُلًا الفجاج کی تفسیر ہے کیونکہ الفج کبھی نافذ راستہ کو کہتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ بعض نے فرمایا: تا کہ ان کے ذریعے اپنے دین کی طرف راہنمائی حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا یعنی گرنے اور زمین پر سقوط سے محفوظ کیا، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: 65) بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ستاروں کے ذریعے، شیطانوں سے اس کو محفوظ کیا؛ یہ فراء کا قول ہے اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۝ (الحجر: 17) بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ٹوٹنے پھوٹنے سے محفوظ بنایا اور اس سے محفوظ کیا کہ کوئی حیلہ کے ساتھ اس تک پہنچ سکے۔ بعض نے فرمایا: ایسا محفوظ بنایا کہ ستون کا محتاج نہیں۔ مجاہد نے محفوظ کا معنی مرفوعاً (بلند کیا گیا) بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: شرک اور معاصی سے محفوظ کیا۔ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۝ یعنی کفار اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: نشانیوں سے مراد سورج اور چاند ہیں۔ آیات کی اضافت آسمان کی طرف کی کیونکہ وہ نشانیاں آسمان میں بنائی گئی ہیں۔ جبکہ کئی مقامات پر آیات کی نسبت اپنی طرف بھی کی کیونکہ وہی انکا فاعل حقیقی ہے۔ فرمایا: مشرکین آسمانوں میں اور ان کی نشانیوں میں، رات اور دن میں، شمس وقمر میں، آسمانوں کے افلاک میں، ان کی ہواؤں میں اور ان کے بادلوں میں اور ان میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں ان میں غور وفکر کرنے سے غافل ہیں اگر وہ غور وفکر کرتے تو جان لیتے کہ ان کا

کوئی صانع ہے، قادر ہے اور وہ واحد ہے۔ اس کا شریک ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ انہیں ایک اور نعمت یاد دلائی ان کے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کریں، دن بنایا تاکہ اس میں اپنی معاش کے لیے تصرف کریں۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ سورج کو دن کی نشانی بنایا اور چاند کو رات کی نشانی بنایا تاکہ مہینے، سال اور حساب معلوم ہو جیسا کہ سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ كُلٌّ یعنی سورج، چاند، ستارے، کواکب، لیل ونہار میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۝ تیزی کے ساتھ چلتے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور وہ اصدق القائلین ہے: وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۝ (النازعات) وہ گھوڑا جو لمبا پاؤں رکھتا ہے دوڑنے میں اسے سابح کہتے ہیں۔ یسبحن اور لا تسبح نہیں فرمایا۔ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ جب ان کے متعلق ذوی العقول کے فعل کے ساتھ خبر دی تو طاعت میں بھی انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا۔ ان کے متعلق واو اور نون کے ساتھ خبر دی۔ اسی طرح فراء نے کہا۔ یہ مفہوم سورۂ یوسف میں میں گزر چکا ہے۔ کسائی نے کہا: یَّسْبَحُوْنَ فرمایا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ۝ (القمر) منتصرون نہیں فرمایا۔ بعض نے کہا: چلنا فلک کے لیے ہے۔ پس اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔ اصح یہ ہے کہ سیارہ فلک میں چلتا ہے۔ آسمانوں کے علاوہ سات افلاک ہیں۔ اور وہ آسمان فرشتوں کی جولانگاہ ہیں اور ملکوت کے اسباب ہیں اور چاند نچلے فلک میں ہے اور پھر عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ پھر مشتری پھر زحل ہے اور آٹھواں بروج کا فلک اور نواں الفلک الاعظم ہے۔ فلک، نجوم کے افلاک کا واحد ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اس کی جمع فُعُل پر جائز ہے جیسے اَسد و اُسُد، خَشب وخُشُب۔ فلک کا اصل معنی گردش کرنا ہے۔ اسی سے فلكة المغزل چرخے کا پرتہ جو گھومتا ہے؛ اسی سے کہا جاتا ہے: فلك ثدی المرأة تفليكاً عورت کے پستان کا گول ہونا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: تركت فرسی كأنه يدور فی فلك، (1) میں نے گھوڑے کو چھوڑا گویا وہ فلک میں گردش کر رہا ہے۔ اس کی گردش کی وجہ سے آسمان کے فلک کے ساتھ تشبیہ دی جس پر ستارے گھومتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: الافلاك ستاروں، سورج اور چاند کی گزرگاہیں ہیں۔ فرمایا: آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ قتادہ نے کہا: الفلك آسمان میں گروش ہے۔ آسمان کے ثبوت کے ساتھ ستاروں کے ساتھ گھومتا ہے۔ مجاہد نے کہا: فلک، چکی کے قطب کی طرح ہے۔ ضحاک نے کہا: فلک سے مراد ان کا گزرنا اور تیزی سے چلنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: فلک ایک موج ہے جو روکی گئی ہے، اس میں چاند اور سورج کی گزرگاہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۝

''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے، اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دو چار کر کے اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے''۔

1۔ غریب الحدیث، ابو عبید، جلد 4، صفحہ 96

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ دنیا میں ہمیشہ باقی رہنا۔ کفار نے کہا: ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ شاعر ہے ہم ان پر گردش زمانہ (موت) کا انتظار کرتے ہیں شاید یہ فوت ہو جائے گا جیسا کہ بنی فلاں کا شاعر فوت ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ سے پہلے انبیاء کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خود حفاظت کرتا ہے اسی طرح ہم آپ کے دین اور شریعت کی حفاظت کریں گے۔ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝ أفهم یعنی کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؛ شاعر نے کہا:

رَفَوْنِي وقالوا يا خُوَيلِدُ لاتُرَعْ　　فقلتُ وأنكرتُ الوجوهَ هُمُ هُمُ

یعنی أهُم۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ فراء نے کہا: یہ فاء کے ساتھ آیا ہے تاکہ شرط پر دلالت کرے یہ ان کے قول: سیموت (وہ فوت ہو جائے گا) کا جواب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء کے ساتھ لایا گیا کیونکہ اس کی تقدیر یوں ہے: أفهم الخالدون إن مت۔ فراء نے کہا: فاء کا حذف اور اسکا اضمار دونوں جائز ہیں، کیونکہ ھم میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا، یعنی إن مت فهم يموتون ایضاً اگر آپ کا انتقال ہوگا تو یہ بھی مریں گے۔ پس آپ کے وصال پر خوشی نہیں کرنی چاہیے۔ مِتَّ اور مُتَّ، میم کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ یہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً، فِتْنَةً غیر لفظ پر مصدر ہے یعنی ہم شدت، رخوت، حلال اور حرام کے ساتھ تمہیں آزمائیں گے پھر دیکھیں گے تم کیسے شکر و صبر کرتے ہو؟ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ اعمال کی جزا کے لیے ہماری طرف لوٹنا ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝

”اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا حالانکہ وہ (کفار) رحمن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اس آیت میں ان نافیہ ہے۔ الهزء کا معنی مذاق کرنا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ استہزاء کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر سورۃ الحجر میں اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۝ (الحجر) کے تحت گزر چکا ہے۔ وہ اس کو مبعوث سمجھتے تھے جو ان کے بتوں کے الہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور خود رحمن کی الوہیت کا انکار کرتے تھے۔ یہ انتہائی جہالت ہے۔ اَهٰذَا الَّذِيْ یعنی وہ کہتے ہیں: کیا یہ ہے وہ؟ قول کو مضمر کیا گیا ہے اور وہ اذا کا جواب ہے۔ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا، اِذَا اور اس کے جواب کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ یعنی برائی اور عیب کے ساتھ تمہارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے؛ عنترہ کا قول ہے:

لا تَذكُرِي مُهرِی وما أطعمتُه　　فيكون جلدُكِ مثلَ جِلدِ الأجربِ

یعنی میرے مہر کو عیب نہ لگا۔

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ یعنی وہ قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ دوسرا هُمْ ان کے کفر کی تاکید ہے، یعنی وہ ہی انکار کرنے والے ہیں۔ ان کے وصف کفر میں مبالغہ کیا۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

''انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے میں عنقریب تمہیں (خود ہی) اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔ اور وہ کہتے ہیں: کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں) کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہانی سو انہیں بدحواس کردے گی پھر وہ نہ اسے رد کرسکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی''۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یعنی عجلت پر مرکب کیا گیا ہے۔ اس کی فطرت میں تیزی ہے جیسے الله تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ (الروم: 54) یعنی انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے کہا جاتا ہے: خُلِقَ الانسانُ مِنَ الشَّرِّ یعنی شریر پیدا کیا گیا ہے۔ جب کسی کے وصف شر میں مبالغہ کرنا ہو تو اس طرح کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: أنت ذھاب و مجیٔ یعنی تو آنے، جانے والا ہے، یعنی انسان کی طبع میں عجلت رکھی گئی ہے۔ بہت سی اشیاء کے لیے جلدی کرتا ہے اگرچہ وہ اس کے لیے مضر بھی ہوں پھر بعض علماء نے فرمایا: انسان سے حضرت مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ سعید بن جبیر اور سدی نے کہا: جب روح حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کو دیکھا جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو کھانے کا شوق کیا، ٹانگوں میں روح کے پہنچنے سے پہلے جنت کے پھلوں کی طرف جلدی کی الله تعالیٰ کے ارشاد: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سے یہی مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن آخری وقت میں پیدا کیا گیا جب الله تعالیٰ نے ان کے سر کو زندہ کیا تو انہوں نے جلدی کی اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے اس میں روح کے پھونکنے کی تکمیل طلب کی؛ یہ کلبی اور مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ ابوعبیدہ اور بہت سے اہل معانی نے کہا: حمیر قبیلہ کی لغت میں العجل مٹی کو کہتے ہیں اور بطور استشہاد یہ شعر پڑھا:

والنخلُ يَنبتُ بين الماءِ والعَجَلِ

بعض علماء نے فرمایا: انسان سے مراد تمام انسان ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نضر بن حرث بن علقمہ بن کلدہ بن عبدالدار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے جو حقیر مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے الله تعالیٰ کی آیات اور

رسول کریم ﷺ کے معجزات سے استہزاء مناسب نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مقلوب ہے یعنی خلق العجل من الانسان: یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول ایسا ہے کہ کتاب اللہ میں اس کے ساتھ جواب دینا مناسب نہیں کیونکہ قلب اشعار میں اضطراری طور پر واقع ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

کان الزِّنَا فَرِیضَةَ الرَّجْمِ

زنا (رجم کا فریضہ ہے) اس کی مثال یہ آیت ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یہ سورۃ سبحان میں گزر چکا ہے۔ سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ۝ یہ پہلے کی تائید کرتا ہے۔ طبع انسان میں عجلت ہے اس کی ایسی تخلیق کی گئی ہے کہ یہ برداشت نہیں کرتا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ سورۃ سبحان میں گزر چکا ہے۔ اور آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ محمود انجام ہے جو اپنے محبوب کے لیے بنایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آیات سے مراد وہ عذاب ہے جو انہوں نے طلب کیا تھا اور انہوں نے استعجال کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ہر چیز کے لیے ایک مقرر وقت ہوتا ہے یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور انہوں نے جب کہا: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ (الانفال: 32) (اگر یہ حق ہے) اخفش سعید نے کہا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ اس کا معنی ہے اس کو کہا گیا: کن (ہو جا) فکان (تو وہ ہو گیا) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ اس قول کی بناء پر کہ جو کسی چیز کو کن کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ بات جس کے لیے وہ جلدی کر رہے ہیں اس کا اظہار کرنا اس کو عاجز نہیں کرتا۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یعنی اس کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے: اللہ رجاءنا بمعنی مرجونا۔ بعض نے فرمایا: الوعید یہاں بمعنی وعید ہے یعنی جس عذاب کا وہ ہم سے وعدہ کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد قیامت ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ اے مومنین کے گروہ! اگر تم سچے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہاں علم بمعنی معرفت ہے جو مفعول ثانی کا تقاضا نہیں کرتا جیسے: لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال: 60) اور لو کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر وہ اس وقت کو جان لیتے جس میں وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کے شعلوں کو نہ روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اگر وہ اسکو جان لیتے تو وعید کے لیے جلدی نہ کرتے۔ زجاج نے کہا: اگر وہ جان لیتے تو وعدہ کی سچائی کو جان لیتے۔ بعض نے فرمایا: اگر وہ اسے جان لیتے تو وہ کفر پر قائم نہ رہتے اور ایمان لے آتے۔ کسائی نے کہا: یہ قیامت کے وقوع کے تحقق پر تنبیہ ہے، یعنی اگر وہ علم یقین سے جان لیتے تو جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے اور اس پر دلیل بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً ہے یعنی قیامت ان کے پاس آئے گی۔ بغتۃ سے مراد قیامت ہے۔ بعض نے کہا: عقوبت ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ آگ ہے جس سے بچاؤ کے کسی حیلہ پر قادر نہ ہوں گے۔ فَتَبْهَتُهُمْ جوہری نے کہا: بهته بهتا اس کا معنی اچانک پکڑ لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے وہ انہیں حیران و ششدر کردے گی۔ کہا جاتا ہے: بهته يبهته جب کوئی کسی چیز کے سامنے آئے اور وہ اسے حیران کردے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ ان کے پاس اچانک آئے گی۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وہ اپنی پیٹھوں سے اسے دور نہیں کر سکیں گے۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۝ انہیں توبہ کرنے اور عذر پیش کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

''پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تعزیت کے لیے ہے۔ فرمایا: اگر انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا ہے تو آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا پس آپ صبر کا مظاہرہ کریں جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا۔ پھر نصرت کا وعدہ فرمایا۔ فَحَاقَ گھیر لیا۔ بِالَّذِيْنَ جنہوں نے کفر کیا اور مذاق اڑایا۔ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ یعنی ان کے استہزاء کی جزا نے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

''آپ پوچھیے: (اے منکرو!) کون ہے جو نگہبانی کر سکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمٰن سے (اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے) مگر (ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انہیں (عذاب سے) ہمارے سوا وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہماری تائید میسر ہو گی۔ بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو حتیٰ کہ (اسی عیش و آرام میں) ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے) کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے ہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹائے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ، يَكْلَؤُ کا معنی حفاظت کرنا اور نگرانی کرنا۔ الکلاء کا معنی حفاظت کرنا ہے۔ کلاہ اللہ کلاءۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی۔ کہا جاتا ہے: اذهب فی کلاءۃ اللہ و اکتلاتُ منهم یعنی حفاظت کی۔

شاعر نے کہا:

إنّ سليمى وَاللهُ يكلؤها ضنّت بشئ ما كان يرزؤها

دوسرے شاعر نے کہا:

أنخت بعيري وَاكتلاتُ بعينيه

کسائی نے اور فراء نے حکایت کیا ہے: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ لام کے فتحہ اور واو کے سکون کے ساتھ۔ ان دونوں نے مَنْ یکلا کم کو دونوں صورتوں میں ہمزہ کی تخفیف کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ اور معروف ہمزہ کی تحقیق ہے یہ اکثر کی قرأت ہے اور

رہا یکلا کم دو اعتبار سے خطا ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ (۱) ہمزہ کا بدل شعر میں ہوتا ہے۔ (۲) دونوں ماضی میں کلیتہ کہتے ہیں۔ معنی بدل جاتا ہے کیونکہ کلیتہ کا معنی ہے أوجعت کلیتہ میں نے اسے گردے میں تکلیف پہنچائی اور جو کسی کو کہتا ہے: کلات اللہ تو وہ اسے بددعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے گردے کی تکلیف پہنچائے۔ پھر کہا گیا ہے کہ لفظ کا مخرج استفہام کا مخرج ہے اس سے مراد نفی ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی: قل لاحافظ لکم تمہارا کوئی محافظ نہیں۔ بِالَّیۡلِ جب تم سوتے ہو۔ وَالنَّهَارِ جب تم اٹھتے ہو اور اپنے امور میں تصرف کرتے ہو۔ مِنَ الرَّحۡمٰنِ یعنی رحمٰن کے عذاب سے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰهِ (ہود: 63) یعنی اللہ کے عذاب سے۔ یہ خطاب ان میں سے اسے ہے جو صانع کا اعتراف کرتا ہے۔ یعنی جب تم اقرار کرتے ہو کہ وہ خالق ہے تو پھر وہ اس عذاب کے اُتارنے پر بھی قادر ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهِمۡ ذکر سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا: مواعظ ہیں۔ بعض نے کہا: معرفت ہے۔ مُعۡرِضُوۡنَ غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ، اَمۡ لَهُمۡ کا معنی ألهم ہے۔ میم صلہ (زائدہ) ہے۔ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا، یعنی من عذابنا ہمارے عذاب سے۔ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ یعنی یہ کفار جو کہتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گے جو اپنی مدد نہیں کر سکتے وہ ان کی مدد کیسے کریں گے؟ وَلَا هُمۡ مِّنَّا یُصۡحَبُوۡنَ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یصحبون کا معنی یمنعون یعنی وہ ہم سے بچائے نہیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یجارون بھی مروی ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیے جائیں گے؛ یہ طبری کا مختار ہے۔ عرب کہتے ہیں: انا لك جار وصاحب من فلان؛ شاعر نے کہا:

ينادي بأعلى صوته متعوِّذا ليُصحَبَ منها والرِّماحُ دَوَانِ

معمر نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: ینصرون یعنی وہ حفاظت نہیں کیے جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ان کا ساتھی نہیں بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی ہم نے ان کے لیے اور ان کے آباء کے لیے اپنی نعمتوں کو پھیلایا۔ طَالَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ اور ان نعمتوں میں عرصہ دراز گزر گیا انہوں نے سمجھا کہ یہ نعمتیں ان سے زائل نہیں ہوں گی پس وہ فریب میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حجج کی تدبیر سے اعراض کیا۔ اَفَلَا یَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ پر غلبہ اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کی فتح تمہیں عطا کر کے زمین کو سمیٹ رہے ہیں؛ یہ اس کا معنی حسن وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: قتل اور قیدی بنا کر؛ یہ معنی کلبی نے بیان کیا ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے اس پر تفصیلی کلام سورۃ الرعد میں گزر چکی ہے۔ اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ۝ یعنی ان کی اطراف کو سمیٹنے کے بعد کفار مکہ ہی کیا غالب ہیں بلکہ آپ ان پر غالب ہیں اور آپ کو ان پر فتح نصیب ہوگی۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡیِ ۖ وَلَا یَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنۡذَرُوۡنَ۝ وَلَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوۡلُنَّ یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ۝

''آپ فرمائیے: میں تمہیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے اور نہیں سنا کرتے بہرے پکارنے کو جب انہیں (عذاب الٰہی سے) ڈرایا جاتا ہے۔ اور اگر (صرف) چھو جائے انہیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو (سارا نشہ دور ہو جائے) یوں کہنے لگیں: صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ یعنی میں تمہیں قرآن کے ذریعے ڈراتا ہوں۔ وَ لَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ یعنی اللہ تعالیٰ جن کے دل کو بہرہ کر دیتا ہے اور جن کے کانوں پر مہر لگا دیتا ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے وہ آیات کو سمجھنے اور حق کو سننے سے اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی اور محمد بن سمیقع نے یَسْمَعُ یاء مضمومہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الصم کو مرفوع پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں سناتا۔ ابن عامر اور سلمی، ابو حیوہ اور یحییٰ بن حرث نے لا تسمع تاء مضمومہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ اور الصم کو منصوب پڑھا ہے۔ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ بہروں کو آواز نہیں سناتے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اس قرات کو بعض اہل لغت نے رد کیا ہے اور کہا: پھر یہ کہنا واجب تھا اذا ماتنذرھم۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ معنی معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نفحہ سے مراد طرف ہے۔ قتادہ نے کہا: عقوبت ہے۔ ابن کیسان نے کہا: تھوڑی اور ادنیٰ شی مراد ہے یہ نفح المسک سے ماخوذ ہے۔ شاعر نے کہا:

وعَنْرة　من　سَرَواتِ　النِّساء　تَنفَحُ　بالمِسكِ　أَرْدَانُها

ابن جریج نے کہا: اس سے مراد حصہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: نفح فلان لفلان من عطائه جب کوئی کسی کو مال کا ایک حصہ عطا کرے۔ شاعر نے کہا:

لَمَّا أَتَيْتُكَ أرجو فَضْلَ نَائِلِكُمْ　　نَفَحْتَنِي نَفْحَةً طَابَتْ لها العَرَبُ

یعنی اس کا نفس خوش ہوا۔ لغت میں النفحہ کا معنی دفعة یسیرہ ہے یعنی اگر انہیں عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو لے۔ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝ یعنی ہم ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ وہ اس وقت اعتراف کریں گے جب ان کا اعتراف نفع بخش نہ ہوگا۔

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۝

''اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا، الْمَوَازِيْنَ جمع ہے میزان کی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مکلف کے لیے ایک میزان ہوگا جس کے ذریعے اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا پس نیکیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور برائیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: یہ

بھی جائز ہے کہ وہاں ایک عامل کے لیے بہت سے میزان ہوں ان میں سے ہر میزان کے ساتھ اس کے اعمال کی ایک قسم کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ شاعر نے کہا:

مَلِكٌ تقومُ الحادثاتُ لعَدْلِه فلكلِّ حادثةٍ لها ميزانُ

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک میزان ہو اسے جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ الکائی حافظ ابوالقاسم نے اپنی سنن میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور حضرت انس نے اسے مرفوع ذکر کیا ہے کہ ''ایک فرشتہ میزان پر مقرر ہوگا۔ ابن آدم کو لایا جائے گا تو اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان روکا جائے گا اگر اس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا تو وہ فرشتہ بلند آواز سے ندا دے گا جسے ساری مخلوق سن لے گی: سعد فلانٌ سعادة لایشقی بعدھا أبدا فلاں ایسی سعادت سے مشرف ہوا کہ اس کے بعد کبھی بدبخت نہ ہوگا اور اگر اس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوا تو فرشتہ ندا دے گا فلاں ایسی شقاوت کے ساتھ شقی ہوا کہ اس کے بعد کبھی سعادت مند نہ ہوگا'' (1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ''قیامت کے روز صاحب میزان جبریل ہوگا''۔ بعض علماء نے فرمایا: میزان کے دو پلڑے ہوں گے دھاگے ہوں گے ایک اس کی زبان ہوگی اور ترازو کا عمود ہوگا۔ ان کی وجہ سے میزان کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک نے کہا: میزان کا ذکر ایک مثال ہے وہاں کوئی میزان نہ ہوگا مراد عدل ہے اور جس پر اخبار وارد ہیں اور جو سواد اعظم کا نظریہ ہے وہ پہلا قول ہے۔ اس کا بیان سورہ اعراف اور سورۂ کہف میں گزر چکا ہے۔ ہم نے کتاب التذکرہ میں تفصیلاً اس پر گفتگو کی ہے۔ القسط کا معنی عدل ہے یعنی وہ کمی اور ظلم نہ ہوگا جس طرح دنیا کے وزن میں ہوتا ہے۔ القسط موازین کی صفت ہے مفرد اس لیے ہے کیونکہ یہ مصدر ہے کہا جاتا ہے: میزان قسط، میزانان قسط، موازین قسط، جیسے رجال عدل و رضاً۔ ایک جماعت نے القصط پڑھا ہے۔ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ یعنی اہل قیامت کے لیے۔ بعض نے فرمایا: فی یوم القیامۃ قیامت کے دن میں۔ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا محسن کے احسان میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور کسی مجرم کے جرم میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ نافع، شیبہ اور ابوجعفر نے مثقال حبة یہاں رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سورۂ لقمان میں اس معنی پر کہ اگر واقع ہو یا حاضر ہو۔ پس اس صورت میں کان تامہ ہوگا اور خبر کا محتاج نہیں ہے۔ باقی قراء نے مثقال کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ ان کان العمل أو ذالك الشئ مثقال۔ مثقال الشی اس کی مثل کا میزان۔ اَتَيْنَا بِهَا الف مقصورہ جمہور کی قرأت ہے یعنی ہم انہیں حاضر کریں گے اور ہم انہیں جزا دینے کے لیے یا سزا دینے کے لیے لے آئیں گے۔ ھا ضمیر سے مراد حبة ہے۔ اگر بہ ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: مثقال الحبة، حبة کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: اَتَيْنَا بِهَا مجاہد اور عکرمہ نے آتینا مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے جازینا بھا ہم اس کے ساتھ انہیں جزا دیں گے۔ کہا جاتا ہے: آتی یواتی مؤاتاۃ۔ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ خیر و شر میں سے جو انہوں نے آگے بھیجا اس پر جزا دینے والے۔ بعض علماء نے فرمایا: حٰسِبِيْنَ یعنی کوئی ہم سے زیادہ جلدی حساب لینے والا نہیں۔ الحساب کا معنی شمار کرنا ہے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ایک

1۔ الحلیۃ ابونعیم، جلد 6، صفحہ 174

شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور مجھ سے خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں انہیں گالیاں دیتا ہوں اور انہیں سزا دیتا ہوں میں ان میں سے کیسا ہوں؟ فرمایا: ''جو وہ خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں اور تجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اب سب کا ان سے محاسبہ ہوگا اور تیرا انہیں سزا دینا اگر تو ان کے جرم کے مطابق ہے تو یہ برابر ہوگا نہ تیرے حق میں ہوگا نہ تیرے خلاف ہوگا اور اگر تیری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تیرے لیے فضل ہوگا اگر تیری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا''۔ فرمایا: وہ شخص پیچھے ہٹا اور زور زور سے رونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو کتاب اللہ پڑھتا ہے۔ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے لیے اور ان کے لیے ان کو جدا کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ تمام آزاد ہیں (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

''اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پرہیزگاروں کے لیے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اُتارا ہے تو کیا تم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً حال کی بناء بغیر واو کے پڑھا ہے۔ فراء کا خیال ہے کہ واو حذف کرنا اور نہ کرنا ایک جیسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ وَ حِفْظًا (الصافات: 6) یعنی حفظاً اس قول کا زجاج نے رد کیا ہے انہوں نے فرمایا: واو ایک معنی کے لیے ہوتی ہے پس اسے زیادہ نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا: الْفُرْقَانَ سے مراد تورات ہے کیونکہ ان میں حرام اور حلال کے درمیان فرق ہے۔ فرمایا: وَضِيَآءً، فیہ ھدی ونور کی مثل ہے۔ ابن زید نے کہا: فرقان سے مراد دشمنوں پر مدد ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ (الانفال: 41) یعنی بدر کے دن۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے، الضیاء میں واو کے دخول کی وجہ سے۔ پس آیت کا معنی یہ ہوگا ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نصرت اور تورات عطا کی جو روشنی اور نصیحت ہے۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ یعنی غائبین کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے نظر و استدلال کے ذریعے پہچانا کہ ان کے لیے رب ہے جو قادر ہے اعمال پر جزا دے گا وہ اپنے دل میں اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور خلوتوں میں بھی خشیت ظاہر رہتی

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الانبیاء، حدیث نمبر 3089، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے جہاں وہ لوگوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ تو بہ سے پہلے قیام قیامت سے۔ مُشْفِقُوْنَ۝ ڈرتے رہتے ہیں۔ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اس سے مراد قرآن ہے۔ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ اے معشر عرب مُنْكِرُوْنَ۝ تم انکار کرتے ہو کہ قرآن معجزہ ہے اس کی مثل لانے پر تم قادر نہیں ہو۔ فراء نے کہا: وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ بمعنی انزلنہ مبارکاً ہے، ہم نے اسے برکت والا نازل کیا۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝

"اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے: پایا ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ فراء نے کہا: ہم نے ابراہیم کو اپنی ہدایت عطا کی، مِنْ قَبْلُ نبوت سے پہلے یعنی ہم نے اسے غور و فکر کرنے کی توفیق بخشی جب اس پر رات تاریک ہوئی تو انہوں نے چاند، سورج اور ستارے کو دیکھا۔ بعض نے فرمایا: مِنْ قَبْلُ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے پہلے۔ نبوت پر دانشمندی۔ پہلا قول اکثر مفسرین کا ہے جس طرح یحییٰ کو فرمایا: وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۝ (مریم) قرطبی نے کہا: رُشْدَهٗ سے مراد اس کی اصلاح ہے۔ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۝ یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ رشد کے عطا کرنے کے اہل تھے اور نبوت کی صلاحیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ بعض علماء نے فرمایا: یعنی تو یاد کر جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ پس کلام وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ پر مکمل ہوگی۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم جانتے تھے جب انہوں نے کہا۔ اس مفہوم پر کلام متصل ہوگی اور عالمین پر وقف نہ ہوگا لِاَبِيْهِ سے مراد آزر ہے۔ قَوْمِهٖ نمرود اور اس کے پیروکار۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ اس سے مراد مورتیاں ہیں۔ التَّمَاثِيْلُ ہر اس شی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ کہا جاتا ہے: مثلت الشی بالشیٔ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دی۔ اس مثل کا اسم تماثل ہے۔ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝ یعنی تم ان کی عبادت پر قائم

ہو۔ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ⊙ ہم اپنے اسلاف کی تقلید میں ان کی عبادت کرتے ہیں۔ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⊙ ان کی عبادت کی وجہ سے گمراہی میں ہیں، کیونکہ یہ جمادات ہیں جو نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان اور نہ کچھ جانتے ہیں۔ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ یعنی کیا تو حق کو لانے والا ہے اپنی بات میں؟ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ⊙ یا تو مزاح کرنے والا ہے۔ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مزاح کرنے والا نہیں ہوں بلکہ تمہارا پروردگار اور تمہاری تدبیر کو قائم کرنے والا آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ جس نے انہیں پیدا کیا۔ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ⊙ میں گواہ ہوں کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ شاھد حکم کو بیان کرتا ہے؛ اسی سے ہے شَهِدَ اللّٰهُ (آل عمران:18) اللہ نے بیان کیا معنی یہ ہے کہ میں جو کہتا ہوں دلیل ہے، بیان کرتا ہوں۔

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ⊙ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ⊙

''اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے کو کچھ نہ کہا تا کہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بتایا کہ حضرت ابراہیم نے زبانی حجت پر اکتفانہ کیا بلکہ ان کے بتوں کو توڑا آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر وثوق تھا اور دین کے دفاع میں تکلیف برداشت کرنے پر نفس مطمئن تھا۔ تَاللّٰهِ میں تاء اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ قسم اٹھانے میں مختص ہے واؤ ہر ظاہر اسم کے ساتھ مختص ہے اور باء ظاہر و ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

تاللہ یبقی علی الأیام ذو حِیَدٍ　　بمُشْمَخِرٍّ به الظَّیّانُ و الآسُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی حرمت کی قسم! میں تمہارے بتوں کا بندوبست کروں گا۔ میں ان کے ساتھ ضرور مکر کروں گا۔ الکید کا معنی مکر ہے۔ کادہ یکیدہ کیدا ومکیدۃ اسی طرح المکایدۃ ہے جنگ کو کید کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: غزا فلان فلاں نے جنگ کی لیکن لڑائی کو نہ پایا۔ ہر وہ چیز جس کا تو برا ارادہ کرے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: أنت تکیدہ۔ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ⊙ یعنی تمہارے چلے جانے کے بعد۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی جس میں وہ جمع ہوتے تھے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اگر تو ہمارے ساتھ ہماری عید کی طرف نکلے تو تو ہمارے دین کو پسند کرے گا: یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ الصافات میں آئے گا۔ حضرت ابراہیم نے دل میں کہا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ میں تمہارے بتوں کا بندوبست کروں گا۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: یہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے چھپا کر کہا تھا اس کو صرف ایک آدمی نے سنا تھا اور اسی نے آپ کا یہ راز افشا کیا تھا۔ ایک کی خبر کو جمع کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جب دوسرے لوگ اس کی خبر پر راضی ہوں، جیسے اس آیت میں ہے: يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون: 8) بعض علماء نے فرمایا: یہ آپ نے قوم کے نکلنے کے بعد کہا تھا۔ اور ان میں سے صرف وہ کمزور لوگ باقی تھے جنہوں نے آپ کی بات کو سنا تھا۔ حضرت ابراہیم نے ان سے پیچھے رہنے کا حیلہ کیا فرمایا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۸۹﴾ (الصافات) یعنی میں حرکت کرنے میں کمزور ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ الجذ و الجذاذ جو توڑا گیا ہو۔ ضمہ، کسرہ سے افصح ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ کسائی نے کہا: سونے کے پتھروں کو جذاذ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسائی، اعمش اور ابن محیصن نے جذاذ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جذیذ کی جمع ہے۔ ریزہ ریزہ جیسے خفیف کی جمع خفاف اور ظریف کی جمع ظراف آتی ہے۔ شاعر نے کہا:

جُذَّذ الأصنام فی مِحرابِها ذاك فی الله العلیّ المقتدر

باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے جیسے الحُطام اور الرُّفات وغیرہ یہ جذاذۃ کی جمع ہے یہ وہ کید ہے جس کی آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ آپ ضرور ایسا کریں گے۔ فرمایا: فَجَعَلَهُمْ کیونکہ قوم کا اپنے بتوں کے بارے الٰہ (خدا) ہونے کا عقیدہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو نہیک اور ابو السمال نے جذاذ جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے فتح اور کسرہ دونوں لغتیں ہیں، جیسے الحَصاد اور الحِصاد۔ ابو حاتم نے کہا: فتحہ، کسرہ اور ضمہ ہم معنی ہیں؛ یہ قطرب نے حکایت کیا ہے۔ اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ جسم میں بڑا خدا۔ حضرت ابراہیم نے بڑے بت کو نہیں توڑا تھا۔ سدی اور مجاہد نے کہا: آپ نے بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اس ہتھوڑے کو اس کی گردن میں لٹکا دیا جس کے ساتھ دوسرے بتوں کو توڑا تھا تاکہ اس کے ذریعے ان پر حجت قائم کریں۔ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ شاید حضرت ابراہیم اور اس کے دین کی طرف یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ لوٹیں جب ان پر حجت قائم ہو جائے۔ بعض نے کہا: اِلَیْهِ کی ضمیر کا مرجع بڑا بت ہے۔ یَرْجِعُوْنَ ان کے توڑنے میں۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

"وہ بولے: کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔ (چند آدمیوں نے کہا) ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے: تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ جب وہ اپنے میلے سے لوٹ کر آئے اور ان کے بتوں کا جو حشر ہو چکا تھا اسے دیکھا تو بحث و انکار کی جہت سے یہ کہا: مَنْ فَعَلَ۔۔۔ الخ بعض نے فرمایا: مَنْ استفہامیہ نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہے یعنی ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ ارشاد ہے: سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یہ مَنْ فَعَلَ هٰذَا کا جواب ہے۔ قَالُوْا میں ضمیر ان کمزور لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضرت ابراہیم کی بات سنی تھی یا وہ ایک شخص ہے جس نے آپ کا جملہ سنا تھا۔ یَذْكُرُهُمْ کا معنی ہے وہ انہیں عیب لگاتا ہے اور انہیں برا بھلا کہتا ہے۔ شاید اس نے یہ کیا ہو۔ ابراہیم پر رفع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ زجاج نے کہا: یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾

کے معنی پر مرفوع ہے اس صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگا اور جملہ محکیہ ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ ندا کی بنا پر مرفوع ہو اور ضمہ مبنی ہونے کی بنا پر ہو اور نائب الفاعل کے قائم مقام ہو۔ اور بعض نے کہا: اس کو رفع نائب الفاعل کی بنا پر ہے اس بنا پر ابراہیم مخصوص شخص پر دلالت کرنے والا نہ بنایا جائے بلکہ اس کے ساتھ بولنا اس لفظ کی بنا پر دلالت کرنے کے لیے ہو یعنی اس کے یہ قول اور یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے: زید فعل کے وزن پر ہے یا زید تین حرف ہیں۔ اور یہ کسی وجہ سے شخص پر دلالت نہیں کرتا بلکہ تو نے اس کے بولنے کے ساتھ لفظ کے نفس پر دلالت کی ہے۔ اس طریقہ پر تو کہتا ہے: میں نے ابراہیم بولا۔ اور یہ مفعول صحیح ہوگا تو نے اسے قول اور کلام کے قائم مقام رکھا اس کے بعد فعل کو مجہول بنانے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

یہ رفع میں ابن عطیہ کا اختیار ہے۔ استاذ ابوالحجاج اشبیلی اعلم نے کہا: یہ اہمال کی بنا پر رفع ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جب اس نے رفع کی وجوہ دیکھیں تو گویا وہ معنی واضح نہیں کرتیں جن کا انہوں نے قصد کیا ہے تو انہوں نے بغیر کسی چیز کے اس کو رفع دیا جیسا کہ عوامل سے خالی ہونے کی وجہ سے مبتدا کو رفع دیا جاتا ہے۔ الفتی کا معنی نوجوان ہے اور الفتاۃ کا معنی جوان لڑکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر نوجوان (1) پھر یہ آیت پڑھی: سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ۔

اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ جب نمرود اور اس کے حواریوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بغیر دلیل کے حضرت ابراہیم کو پکڑنا ناپسند کیا انہوں نے کہا: اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ اسے دیکھیں۔ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۝ تاکہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں جو اس نے کہا ہے، تاکہ اس پر حجت قائم ہو جائے۔ بعض علماء نے فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ تاکہ اس کی سزا کا مشاہدہ کریں تاکہ اس کے بعد اس جیسا کوئی اقدام نہ کرے یا یہ مطلب ہے کہ تاکہ لوگ گواہی دیں کہ انہوں نے یہ ان کے بتوں کو برا بھلا کہا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ یہ سزا کا مستحق ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں دلیل ہے کہ کسی سے صرف کسی کے دعویٰ کی بنا پر مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۝ ہماری شریعت میں بھی یہی عمل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۝

''(ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۝

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب سماع عام نہ تھا اور شہادت ثابت نہ تھی تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا:

1۔ تفسیر ابن کثیر اس آیت کے تحت

کیا انہوں نے یہ کیا ہے یا نہیں؟ اس کلام میں حذف ہے یعنی ابراہیم آئے جب انہیں لایا گیا تو انہوں نے پوچھا: کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ کہا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا یہ دھوکا اور غضب ہے کہ اس کی اور اس کے ساتھ چھوٹے بتوں کی عبادت کی جائے پھر اس نے ان کے ساتھ یہ کیا ہوا گر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھو۔ بڑے بت کے فعل کو دوسروں کے بولنے کے ساتھ معلق کیا ہے انہیں ان کے بدعقیدہ پر تنبیہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے گویا فرمایا: بلکہ یہ اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں۔ اس تاویل پر کلام میں تقدیم ہے۔ فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ۝ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ بلکہ بڑے نے کیا ہوگا اگر یہ بولتے ہیں یہ بیان کیا کہ جو بولتے نہیں ہیں اور کچھ جانتے بھی نہیں ہیں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔ اس کا یہ قول تعریض تھا اور معاریض جھوٹ سے بچنے کے لیے ہوتی ہیں یعنی ان سے پوچھیے۔ اگر یہ بولتے ہیں تو وہ سچے ہیں اگر یہ نہیں بولتے تو وہ ایسا کرنے والا نہیں۔ اس کلام کے ضمن میں اعتراف ہے کہ وہ ایسا کرنے والا ہے۔ یہ صحیح ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس پر اس کو شمار کیا۔ پس یہ دلیل ہے کہ آپ نے یہ کلام تعریض کی حیثیت سے ذکر کی ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر انہیں معبود بناتے تھے جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے اب سے کہا تھا: یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ (مریم: 42) حضرت ابراہیم نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا تا کہ وہ اپنی زبان سے اعتراف کریں کہ یہ بولتے نہیں یہ نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں۔ پس پھر انہیں آپ کہیں کہ تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ اسی وجہ سے امت کے نزدیک خصم کے ساتھ باطل کا فرض کرنا جائز ہے تا کہ خصم خود ہی حق کی طرف لوٹ آئے کیونکہ یہ چیز حجت کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور شبہ کو ختم کرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے اپنی قوم سے کہا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) هذه اختی، اِنِّیْ سَقِیْمٌ۝ (الصافات) بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا، ابن سمیقع نے بَلْ فَعَلَّهٗ لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ شاید ایسا کرنے والا ان کا بڑا ہو۔ کسائی نے کہا: بَلْ فَعَلَهٗ پر وقف ہوگا یعنی اس نے کیا جس نے کیا پھر كَبِیْرُهُمْ هٰذَا سے نئی کلام ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ان کے بڑے نے ایسا کیا ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ یہ خبر کے لفظ کے ساتھ الزام ہے یعنی جو ان کی عبادت کا اعتقاد رکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے لیے فعل کا بھی اثبات کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز تمہیں لازم ہے اس کے اعتبار سے تو ان کے بڑے نے یہ عمل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم نے کبھی (بظاہر) بھی جھوٹ نہیں بولا مگر (بظاہر) تین مواقع پر۔ آپ نے کہا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ۝ (الصافات) اور حضرت سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے اور فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ'' (1) یہ ترمذی کے الفاظ ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقعہ معراج میں ہے فرمایا: ''ستارے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) اس بنا پر کذبات کی تعداد چار ہوگی لیکن نبی

1۔ ترمذی، باب ومن سورۃ الانبیاء، حدیث 3090، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

٭٭اشارۃ بات کرنا

کریم ﷺ نے اس کی نفی کی فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر بظاہر تین مواقع پر دو مواقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا۔ فرمایا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات) اور بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ اور ایک سارہ کے بارے میں تھا''۔ یہ الفاظ مسلم کی حدیث کے ہیں۔ ستارے کے بارے میں جو کہا تھا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) یہ بھی کذب میں داخل ہے لیکن اس کو کذب شمار نہیں کیا کیونکہ آپ نے یہ بچپن میں کیا تھا جب کہ آپ مکلف نہ تھے یا آپ نے توبیخ و انکار کی بنا پر ان سے سوالیہ انداز میں یہ کہا اور ہمزہ استفہام حذف کیا گیا یا اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے کہا۔ اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جو متغیر ہوتا ہے وہ رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ تمام وجوہ سورۃ الانعام میں واضح طور پر گزر چکی ہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: اس حدیث میں ایک عظیم نکتہ ہے جو پیٹھ کو توڑ دیتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم نے جھوٹ نہیں بولا مگر بظاہر تین صورتوں میں دو ایسی صورتیں تھیں جن سے انہوں نے اپنے دین کا دفاع کیا وہ یہ تھیں آپ نے فرمایا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات) اور فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ'' اور هذه اختی (سارہ میری بہن ہے) کو ذات الٰہی میں شمار نہیں کیا اگرچہ انہیں آپ نے مجبور ہونے کی صورت میں جابر بادشاہ کے پاس بھیجا تھا لیکن اس میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی فراش کی حفاظت اور اپنے گھر والوں کی حمایت کا کچھ حصہ تھا تو اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے صرف وہ عمل ہوتا ہے جو خالصۃً اللہ کی رضا کے لیے ہو اور دنیا کے ثواب سے پاک ہو اور وہ معاریض (ایسی کلام جس کو سننے والا اور مفہوم میں سمجھے اور متکلم کا ارادہ کچھ اور ہو) جو نفس کی طرف لوٹتی ہیں جب وہ خالص دین کے لیے ہوں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (الزمر: 3) یہ اگر ہماری طرف سے صادر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں لیکن حضرت ابراہیم کا مقام بلند اسی بات کا مقتضی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے فرمایا: کذب (جھوٹ) کا مطلب ہے کسی چیز کے بارے میں ایسی خبر دینا جو اس کی حقیقت کے خلاف ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول تعریض اور توریہ تھا۔ معاریض، حسنات اور حجج اور دلالات جائز ہوتی ہیں لیکن مرتبہ کی کمی میں موثر ہوتی ہیں اور محمود مرتبہ سے کم کر دیتی ہیں اور ان کا قائل ان سے حیا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شفاعت میں وارد ہے انبیاء کرام ایسی باتوں سے ڈرتے ہیں جن سے دوسرے لوگ نہیں ڈرتے (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے کیونکہ وہ ذات جو نبوت اور خلت کے مرتبہ پر فائز ہے وہ حق کو واضح کرے اور امر کا صراحۃً بیان کرے جیسا بھی ہو لیکن انہیں رخصت دی گئی تھی تو انہوں نے رخصت کو قبول کر لیا تھا پس ان کے قصہ میں یہی ہوا تھا اسی وجہ سے حدیث شفاعت میں ہے: انما اتخذت خلیلاً من وراءَ وراءَ، وراء مبنی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسے خمسۃ عشر ہے اور جس طرح عرب کہتے ہیں: جاری بیت بیت اور مسلم کے بعض نسخوں میں من وراءُ مِن وراءُ، من کے اعادہ کے ساتھ ہے اس صورت میں مبنی برفتحہ جائز نہیں ان میں سے ایک مبنی پر ضمہ ہوگا کیونکہ مقطوع الاضافہ ہے اور مضاف کی نیت کی گئی ہے جیسے: قبل و بعد میں ہوتا ہے اور اگر مضاف کی نیت نہ ہو تو معرب ہوتا ہے اور منون ہوتا ہے لیکن وراء غیر منصرف

1۔ مسند امام محمد، حدیث نمبر 12153

ہے کیونکہ اس کی الف تانیث کے لیے ہے کیونکہ عرب اس کی تصغیر میں وُرَیْحَۃ کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: یہ شاذ ہے اس بنا پر من کے موجود ہونے کے ساتھ ہی دونوں میں فتحہ صحیح ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ میں خلیل تھا جو دوسروں سے پیچھے تھا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خلت اپنے کمال کے ساتھ صحیح نہیں ہے مگر اس کے لیے جس کے لیے اس دن مقام محمود پر فائز ہونا صحیح ہوگا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

”(لاجواب ہوکر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہوکر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے اور کہنے لگے: تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا: (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف اس طرح لوٹے جس طرح وہ شخص رجوع کرتا ہے جس کے پاس دلیل باقی نہیں رہتی اور اپنے مقابل کی حجت کی صحت کو سمجھ لیتا ہے۔ پس انہوں نے کہا: تم ہی ظالم ہو یعنی ایسی مورتیوں کی عبادت کر کے تم ظلم کرتے ہو جو ایک لفظ بول نہیں سکتی ہیں۔ اور ایک لحہ کے لیے اپنے آپ کی مالک نہیں ہیں۔ وہ اپنے عبادت گزاروں کو کیسے نفع دیں گے اور ان سے تکلیف کو کیسے دور کریں گی جو اپنے سر سے ہتھوڑے کے وار کو دور نہ کیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ یعنی وہ اپنی جہالت اور عناد کی طرف لوٹ گئے انہوں نے کہا: لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ تو حضرت ابراہیم نے ان کے بکواسات کو توڑتے ہوئے اور ان کی غلط باتوں کا قلع قمع کرتے ہوئے کہا: اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ، تف ہے تمہارے لیے۔ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ بعض علماء نے فرمایا: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ کا معنی ہے حضرت ابراہیم کے سامنے شرمندگی اور خجالت کی وجہ سے انہوں نے سر جھکا دیے۔ اس میں نظر ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: نکسوا رؤسھم کاف کے فتحہ کے ساتھ بلکہ یہاں کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اپنے پہلے امر کی طرف لوٹ گئے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو شقاوت نے گھیر لیا اور وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

"(سب یک زبان ہوکر) بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لیے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالُوْا حَرِّقُوْهُ جب اس کی حجت اور دلیل ختم ہوگئی تو انہیں گناہ کی غیرت نے آلیا۔ وہ ظلم، غلبہ کے طریقہ کی طرف لوٹنے اور کہا: اسے جلا دو۔ روایت ہے کہ یہ بات کرنے والا فارس کے بدوؤں میں سے تھا اور اکراد قبیلہ سے تھا؛ یہ ابن عمر، مجاہد اور ابن جریج کا قول ہے۔ کہا جاتا ہے: اس کا نام ہیزر تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں غرق کر دیا اور قیامت تک وہ نیچے چلا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بادشاہ نمرود نے یہ کہا تھا: اُنْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ یعنی ابراہیم کو جلا کر اپنے خداؤں کی مدد کرو کیونکہ ابراہیم انہیں گالیاں دیتا ہے اور ان پر عیب لگاتا ہے۔ خبر میں آیا ہے کہ نمرود نے ایک محل بنایا تھا جس کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض چالیس ہاتھ تھا۔ ابن اسحاق نے کہا: انہوں نے ایک مہینہ لکڑیاں جمع کیں پھر انہیں جلایا وہ اچھی طرح جل گئیں اور شعلے نکلنے لگے حتی کہ پرندہ قریب سے گزرتا تو اس کی تپش کی شدت سے جل جاتا تھا۔ پھر انہوں نے ابراہیم کو باندھ دیا اور انہیں منجنیق میں رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن ابلیس نے ان کے لیے منجنیق بنائی۔ آسمان، زمین اور ان میں رہنے والے فرشتوں اور ساری مخلوق نے ایک آواز دی سوا جنوں اور انسانوں کے: اے ہمارے رب! صرف ابراہیم ہی زمین میں تیری عبادت کرتا ہے اسے تیری وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنے کی اجازت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی چیز سے وہ مدد مانگتا ہے یا کسی کو وہ بلاتا ہے تو وہ اس کی مدد کرے میں نے اسے اجازت دی ہے اور اگر وہ میرے علاوہ کسی کو نہ پکارے اور میں اس کو جانتا ہوں اور میں اس کا والی ہوں پس جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو پانی کے فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت ہوا میں تھے۔ انہوں نے کہا: اے ابراہیم! اگر تو چاہے تو ہم آگ کو پانی کے ساتھ بجھا دیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانی کے فرشتوں کو کہا مجھے تمہاری حاجت نہیں ہے۔ پھر ہوا کا فرشتہ آیا اس نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: نہیں۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! تو آسمان میں ایک ہے اور میں زمین میں ایک ہوں، میرے سوا کوئی تیری عبادت نہیں کرتا میرے لیے اللہ کافی ہے اور اللہ بہتر کارساز ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب انہوں نے آگ میں پھینکنے کے لیے باندھا تو آپ نے کہا: لا إله إلا أنت سبحانك رب العالمين لك الحمد ولك الملك لا شريك لك" پھر فرمایا: "انہوں نے آپ کو ایک جوڑے کپڑے میں رکھ کر پھینکا۔ آپ کو جبریل امین ملے اور کہا: اے ابراہیم! آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: أما إليك فلا تجھ سے تو نہیں۔ جبریل نے کہا: اپنے رب سے سوال کرو۔ آپ نے فرمایا: میرے سوال کی نسبت میرے متعلق اس کا علم مجھے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ سب سے زیادہ سچا ہے: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آگ میں ایسی ٹھنڈک پیدا کی جس نے اس کی گرمی کو دور کر دیا پس وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی والی ہوگئی۔ ابو العالیہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا نہ کہتے تو اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی

سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی اور اگر عَلٰۤی اِبْرٰهِيْمَ نہ فرماتے تو ہمیشہ اس کی ٹھنڈک باقی رہتی۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک قالین اتارا اور اسے جحیم میں بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے جبریل، میکائیل، ٹھنڈک کا فرشتہ اور سلامتی کا فرشتہ اتارا۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر بَرْدًا کے بعد سَلٰمًا نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور اس دن ہر آگ بجھ گئی تھی۔ ہر آگ نے سمجھا کہ اسے ارشاد ہوا ہے۔ سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے درخت کی ہر ٹہنی کو حکم دیا کہ وہ اپنے درخت کی طرف لوٹ جائے اور پھل پھینکے۔ حضرت کعب اور قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم کو آگ نے نہیں جلایا تھا مگر آپ کی رسی کو جلا دیا تھا جس سے آپ باندھے ہوئے تھے۔ آپ سات دن آگ میں رہے اور کوئی آدمی آگ کے قریب نہیں جا سکتا تھا پھر وہ آئے تو حضرت ابراہیم کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ منہال بن عمرو نے کہا: جب حضرت ابراہیم نے کہا میں اتنا کبھی انعام یافتہ نہ ہوا جتنا کہ میں ان ایام میں تھا جن میں میں آگ میں تھا۔ کعب، قتادہ اور زہری نے کہا: ہر جانور آگ کو بجھانے والا تھا سوائے چھپکلی کے یہ آگ کو پھونکے مارتی تھی اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو فویسقہ کہا(1)۔ شعیب حمانی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سولہ برس تھی۔ ابن جریج نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر چھبیس برس تھی۔ پہلا قول ثعلبی نے اور دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: زمین کی ہر آگ بجھ گئی تھی اور کوئی گوشت بھونا نہیں گیا تھا۔ نمرود نے اپنے محل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں۔ ایک فرشتہ آپ سے الفت کا اظہار کر رہا تھا۔ کہنے لگا: تیرا رب کتنا اچھا رب ہے میں اس کے لیے چار ہزار گائے قربان کروں گا اور وہ اس سے رک گیا۔

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۞ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۞ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۞

''انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔ اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لیے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں اور زکوۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا نمرود اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابراہیم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا۔

1۔ مصنف عبد الرزاق، جلد 2، صفحہ 25۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ۝ پس ہم نے انہیں اعمال میں گھاٹا پانے والے بنادیا اور ہم نے ان کے مکر کو ان پر لوٹا دیا یہ ہم نے ان پر اپنی مخلوق میں سے کمزور ترین مخلوق کو ان پر مسلط کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان پر مچھر کو مسلط کیا۔ نمرود باقی رہا حتی کہ اس نے اپنے ساتھیوں اور گھوڑوں کی ہڈیاں دیکھیں۔ وہ ان کے گوشت کھاتے اور ان کے خون پیتے اور ایک مچھر اس کے ناک میں داخل ہو گیا وہ اسے کھاتے کھاتے اس کے دماغ تک پہنچ گیا اور جو نمرود کے نزدیک معزز شخص تھا وہ اس کے سر پر لوہے کا گرز مارتا تھا وہ اسی کیفیت میں چار سو سال رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ الارض سے مراد شام کی زمین ہے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط عراق میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط کے چچا تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور شام کی زمین کو برکت والی زمین کہا گیا کیونکہ اس کی شادابی اس کے پھل اور اس کی نہریں کثیر ہیں، نیز وہ انبیاء کی آرام گاہ ہے برکت کا مطلب خیر کا ثبوت ہے۔ اسی سے ہے: برکت البعیر جب اونٹ اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔ بعض نے کہا: بیت المقدس ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ یہ بھی کثیر شادابی والی ہے اور بڑھوتری والی ہے اس کا پانی میٹھا ہے اور اور پانی اسی سے بکھرتا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: ہر میٹھا پانی آسمان سے اس چٹان پر اترتا ہے جو بیت المقدس میں ہے پھر زمین میں وہ پانی بکھر جاتا ہے۔ اسی طرح کعب احبار سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: الارض المبارکہ سے مراد مصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً، نافلہ کا معنی زیادہ ہے۔ اسحاق کے لیے آپ نے دعا مانگی تھی اور یعقوب بغیر دعا کے عطا فرمایا تھا، پس یہ نافلہ ہوگا یعنی جو مانگا تھا اس سے زائد تھا کیونکہ آپ نے دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (الصافات) پوتے کو نافلہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ والد پر زیادتی ہوتا ہے۔ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ۝ یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب میں سے ہر ایک کو صالح اللہ کی طاعت کے مطابق عمل کرنے والا بنایا اور انہیں صالح بنایا ان کے لیے طاعت اور صلاح کو تخلیق کر کے اور طاعت پر قدرت تخلیق کر کے صالحیت کو محقق فرمایا۔ پھر بندہ جو کوشش کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا یعنی ہم نے انہیں سردار بنایا ہے خیر اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتدا کی جاتی ہے۔ امرنا کا معنی ہے جو ہم نے ان پر وحی کی، امر، نہی نازل کیا اس کے مطابق راہنمائی کرتے ہیں گویا فرمایا: وہ ہماری کتاب کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مخلوق کی راہنمائی کرنے کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہمارے دین کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے وہ اس کی وجہ سے توحید کی طرف بلاتے ہیں۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ ہم نے انہیں وحی کی کہ وہ طاعت کو بجالائیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ﴿۷۴﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

''اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم عطا فرمایا اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رزیل کام کیا کرتے تھے بیشک وہ لوگ بڑے نابنجار (اور) نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کرلیا ہے (حریم) رحمت میں بیشک وہ نیکوکاروں میں سے تھا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا لوط فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر بعد والا فعل دلالت کر رہا ہے۔ یعنی و آتینا لوطاً آتیناہ۔ بعض علماء نے فرمایا: اصل میں اذکر لوطاً ہے۔ الحکم سے مراد نبوت ہے۔ العلم سے مراد امر دین کی معرفت ہے اور وہ علم ہے جس کے ذریعے جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: علماً سے مراد فہم ہے۔ مفہوم تمام اقوال کا ایک ہی ہے۔ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ قریۃ سے مراد سدوم کا شہر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سات شہر ہیں۔ چھ شہروں کو حضرت جبریل نے الٹ دیا تھا اور ایک شہر کو حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے عیال کی وجہ سے باقی چھوڑا تھا۔ یہ بہت سے شہر تھے جن میں پھل تھے یہ فلسطین کے ضلع سے شراۃ پہاڑ کی حد تک تھے۔ اس میں بحر حجاز کی حد تک بہت سے شہر تھے۔ وہ خبائث جو وہ کرتے تھے ان کے متعلق دو قول ہیں: (۱) لواطت کا عمل جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (۲) بآواز بلند ہوا خارج کرنا وہ اپنی مجالس میں ہوا خارج کرتے تھے۔ بعض نے کہا: بآواز بلند ہوا خارج کرنا اور کنکریاں پھینکنا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکلنے والے تھے۔ الفسوق کا معنی نکلنا ہے۔ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا رحمت سے مراد نبوت ہے۔ بعض نے کہا: اسلام ہے۔ بعض نے کہا: جنت ہے۔ بعض نے کہا: اپنی قوم سے نجات ہے۔

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

''اور یاد کرو نوح (علیہ السلام) کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے۔ اور ہم نے حمایت کی اس قوم کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ بڑے نابنجار لوگ تھے، پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ نوح سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے نَادٰى کا معنی ہے پکارا۔ مِنْ قَبْلُ ابراہیم اور لوط سے پہلے ان کی دعا یہ تھی: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح) اور جب انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آپ نے کہا: اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ (القمر) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾،

الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے مراد غرق ہونا اور الْكَرْبِ کا معنی شدید غم بھی ہے۔ اَهْلَهٗ سے مراد ان میں سے جو ایمان لانے والے ہیں۔ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ابوعبیدہ نے کہا: من بمعنی علی ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے انتقام لیا اس قوم سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلانے والی تھی۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ ان میں سے چھوٹے، بڑے کو غرق کر دیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ۝

''اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے''۔

ان آیات میں چھبیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ یعنی ان دونوں کو یاد کرو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے۔ اِذْ يَحْكُمٰنِ سے مراد اکٹھا فیصلہ کرنا مراد نہیں ہے اگر چہ دونوں کو ایک صیغہ کے ساتھ جمع کیا ہے کیونکہ ایک حکم پر دو حکم جائز نہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فیصلہ علیحدہ تھا۔ حضرت سلیمان اللہ تعالیٰ کے سمجھانے کی وجہ سے فیصلہ کو سمجھنے والے تھے۔ فِي الْحَرْثِ اس میں دو قول ہیں: بعض نے کہا: وہ کھیتی تھی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: وہ انگوروں کی بیلیں تھیں جن پر انگور لگ چکے تھے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور شریح کا قول ہے۔ الحرث کا لفظ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور کھیتی میں استعارہ سے بعید ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ یعنی اس کھیتی میں رات کے وقت بکریاں چر گئیں۔ النفش کا معنی ہے رات کے وقت چرنا کہا جاتا ہے: نَفَشَتْ باللیل وھَمَلَتْ بالنھار رات کے وقت چر گئیں اور دن کے وقت چر گئیں۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بغیر چرواہے کے چر جائیں اور اَنْفَشَھَا صَاحِبُھا اور ابلٌ نفاش بولا جاتا ہے، مالک نے انہیں چرایا اور چرنے والے اونٹ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے: الحبة في الجنة مثل كرش البعير يبيت نافشاً، یعنی بعیر راعی کے رات گزارتا ہے؛ یہ ہروی نے حکایت کیا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: الھمل بکریوں کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ یہ اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۝ یہ دلیل ہے کہ جمع کا کم از کم فرد دو ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد فیصلہ کرنے والے اور تیسرا المحکوم علیہ ہے۔ اسی وجہ سے لِحُكْمِهِمْ فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ہم نے سلیمان کو قضیہ سمجھا دیا۔ صرف ضمیر ذکر فرمایا کیونکہ پہلی کلام فیصلہ پر دلیل ہے۔ حضرت سلیمان کے فیصلہ کو ان کے باپ کے فیصلہ پر فضیلت اس لیے ہے کیونکہ آپ نے ہر شخص کی اپنے مال پر ملکیت محفوظ رکھی ہے اور ہر ایک کا نفس اس پر خوش تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا تھا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ ایک فرقہ نے کہا: آپ نے کہا تھا بکریاں کھیتی والے کو اور کھیتی بکریوں والے کو دی جائیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک قول کے مطابق آپ نے خیال کیا کہ بکریاں کھیتی کا بدل ہیں جو خراب ہوئی ہے دوسرے قول کے مطابق آپ نے خیال کیا کہ بکریاں کھیت اور غلہ کے مقابل ہیں۔ جب دونوں جھگڑنے والے حضرت سلیمان کے پاس سے گزرے تو وہ اس دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے جھگڑنے والے نکلتے تھے۔ وہ حضرت داؤد علیہ السلام پر دوسرے دروازے سے داخل ہوتے تھے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا: اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے کیسے فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے بکریوں کا فیصلہ کھیت والے کے لیے کر دیا ہے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا: شاید فیصلہ اس کے علاوہ ہے تم دونوں میرے ساتھ واپس چلو۔ حضرت سلیمان اپنے باپ کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ نے ایسا فیصلہ فرمایا ہے اور میں ایک فیصلہ کی صورت دیکھتا ہوں جو تمام کے لیے بہتر ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان نے کہا: بکریاں کھیت والے کو دینی چاہئیں وہ ان کے دودھ، گھی اور اون سے نفع حاصل کرے اور کھیت بکریوں والے کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے جب کھیتی آئندہ سال اسی حالت پر آ جائے جس حالت پر رات بکریوں نے چرا تھا تو ہر ایک کو اپنا مال واپس کر دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تجھے توفیق بخشی گئی ہے اللہ تعالیٰ تیرے فہم کو ہمیشہ رکھے تو آپ نے حضرت سلیمان کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد وغیرہما نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے(1)۔ کلبی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں اور ان انگوروں کی قیمت جن کو بکریوں نے خراب کیا تھا دونوں کی قیمت برابر تھی پس آپ نے بکریاں کھیت والے کو دے دیں۔ نحاس نے اسی طرح کہا ہے۔ فرمایا: بکریوں کا فیصلہ کھیت والے کے لیے کر دیا کیونکہ بکریوں کی قیمت اس کھیت کی قیمت کے قریب تھی۔ رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ تو کہا گیا ہے کہ جو بکریوں سے کھیت والے نے نفع اٹھایا اس کی قیمت اور بکریوں نے جو کھیت خراب کیا تھا اس کی قیمت بھی برابر تھی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ایک قوم نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس واقعہ میں خطا نہیں کی تھی بلکہ انہیں بھی حکم اور علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ کو حضرت سلیمان کی فضیلت پر محمول کیا ہے اور ان کی فضیلت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ والد کو بیٹے کی فضیلت زیادہ خوش کرتی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام اس واقعہ میں مطلوب فیصلہ نہ پا سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی مدح فرمائی ہے کہ ان کے لیے حکم اور علم تھا تو یہ دوسرے واقعات کی طرف راجع ہے۔ رہا یہ کہ اس فیصلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام صحیح فیصلہ پر پہنچے اور حضرت داؤد علیہ السلام صحیح فیصلہ پر نہ پہنچے اور انبیاء سے غلطی اور خطا کا وجود مانع نہیں جس طرح

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

دوسروں سے اس کا وجود مانع نہیں لیکن انبیاء کرام غلطی اور خطا پر قائم نہیں رہتے اور دوسرے برقرار رہتے ہیں(1)۔ جب ولید نے دمشق کا کنیسہ (عیسائیوں کا عبادت خانہ) گرایا تو روم کے بادشاہ نے اس کی طرف خط لکھا کہ تو نے وہ کنیسہ گرادیا ہے جس کو تیرے باپ نے دیکھا تھا تو چھوڑ دیا تھا اگر تو نے صحیح کیا ہے تو تیرے باپ نے غلطی کی تھی اگر تیرے باپ نے درست کیا تھا تو تو نے غلطی کی ہے۔ ولید نے اسے جواب دیا: وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۙ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ایک قوم نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں نبی تھے اس وحی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے جو ان کی طرف بھیجی جاتی تھی پس حضرت داؤد علیہ السلام نے وحی کے مطابق فیصلہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی وحی کے مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا۔ اس بنا پر فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ اس وحی کے ساتھ ہوگا جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی گئی وحی کو منسوخ کر دیا اور حضرت سلیمان کو یہ حضرت داؤد علیہ السلام تک پہنچانے کا حکم دیا اسی لیے فرمایا: وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا یہ ایک جماعت کا قول ہے ان میں سے ابن فورک بھی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: ان دونوں کا فیصلہ اجتہاد کی بنا پر تھا۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا انبیاء کے اجتہاد کے جواز پر اختلاف ہے ایک قوم نے اس سے منع کیا ہے اور محققین نے انبیاء کے اجتہاد کے جواز کا قول کیا ہے۔ اس میں کوئی استحالہ عقلیہ نہیں کیونکہ یہ دلیل شرعی ہے پس انبیاء کا اس سے استدلال کرنا کوئی محال نہیں جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: جب تیرے گمان پر اس طرح غالب آجائے تو اپنے غالب گمان پر فیصلہ کر دے وہ میرا فیصلہ ہے اور وہ امت کو پہنچا دے یہ عقلاً غیر محال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اجتہاد اس وقت دلیل ہوتا ہے جب نص موجود نہ ہو اور ان سے نص معدوم نہیں ہوتی، ہم کہیں گے: جب فرشتہ وحی لے کر نازل نہ ہوا تو نص نہ پائی گئی تو وہ بھی بحث میں نصوص کے معانی میں دوسرے مجتہدین کی طرح ہو گئے۔ انبیاء کرام اور دوسرے مجتہدین کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام خطا اور غلطی سے اور اجتہاد میں کوتاہی سے معصوم ہوتے ہیں جبکہ دوسرے مجتہدین غلطی اور خطا سے معصوم نہیں ہوتے جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے کہ تمام انبیاء اپنے اجتہاد میں غلطی اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں اور ابو علی بن ابی ہریرہ☆ جو اصحاب شافعی میں سے تھے ان کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ، انبیاء سے خطا میں جواز میں سے خارج تھے ہمارے نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام کے درمیان فرق یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نہیں جو آپ کی غلطی کا تدارک کرے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غلطی سے محفوظ فرمایا اور دوسرے انبیاء کے بعد چونکہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے جو ان کی غلطی کا تدارک کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام انبیاء میں عام ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء خطا کے جواز میں برابر ہیں مگر انبیاء کرام خطا پر باقی نہیں رہتے پس بعد والے انبیاء کرام کا استدراک کا اعتبار نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ایک عورت نے عدت کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”تو جہاں چاہے عدت گزار“ پھر اسے فرمایا: ”تو اپنے گھر میں ٹھہری

1۔ النکت والعیون، جلد 3، صفحہ 457

☆ الحسن بن حسین بغدادی قاضی وفات 345ھ

رہتی کہ تیری عدت پوری ہو جائے"(1)۔ ایک شخص نے آپ سے کہا: بتایئے اگر مجھے باندھ کر قتل کیا جائے جبکہ میں ثواب کی امید رکھتا ہوں تو کیا مجھے جنت سے کوئی چیز روکے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"۔ پھر اسے بلایا اور کہا: "سوائے قرض کے مجھے اسی طرح جبریل نے خبر دی ہے"(2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ حسن نے کہا: اگر یہ آیت نہ ہوتی تو تو دیکھتا کہ فیصلہ کرنے والے ہلاک ہو گئے ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صواب کی وجہ سے تعریف فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا اجتہاد کی وجہ سے عذر قبول کیا۔ مجتہدین جو فروع میں اختلاف کرتے ہیں اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ایک طرف میں ہوتا ہے اس نے ادلہ قائم کی ہیں اور مجتہدین کو ان کے متعلق بحث کرنے اور ان میں غور و فکر کرنے پر ابھارا ہے۔ پس جس نے مسئلہ میں صحیح سمت کو پالیا وہ علی الاطلاق مصیب ہے اور اس کے لیے دو اجر ہیں ایک اجتہاد میں اجر اور ایک درست سمت پانے میں اجر اور جس نے درست سمت کو نہیں پایا وہ اپنے اجتہاد میں مصیب ہے اور اس اعتبار سے مخطی ہے کہ اس نے حقیقت کو نہیں پایا اس کے لیے اجر ہے اور وہ معذور نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ اسلام نے مطلوب جہت کو پالیا وہ وہی تھی جو انہیں سمجھائی گئی تھی۔ ایک فرقہ نے کہا: عالم جو اجتہاد میں غلطی کرتا ہے اس پر خطا میں گناہ نہیں ہوتا اگرچہ غیر معذور ہوتا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: حق ایک طرف میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر دلائل قائم نہیں کیے ہوتے بلکہ معاملہ مجتہدین کی نظر کے سپرد کیا گیا ہے جو صحیح سمت کو پہنچے گا وہ مصیب ہوگا اور جو غلطی کھا جائے گا وہ بھی معذور وہ جور ہوگا۔ صحیح سمت کو پانے کا اس نے ہمیں مکلف نہیں بنایا بلکہ ہمیں صرف اجتہاد کرنے کا مکلف کیا گیا ہے۔ جمہور اہل سنت نے کہا اور یہی امام مالک اور ان کے اصحاب سے محفوظ ہے کہ فروعی مسائل میں حق دونوں طرفوں میں ہوتا ہے ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور مطلوب وہ ہوتا ہے جو اس کے گمان میں افضل ہوتا ہے۔ ہر مجتہد کی نظر اس کے گمان میں افضل کی طرف پہنچی ہوتی ہے اس مقالہ پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین بہت سے مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف ثابت کرتے رہے اور ان میں سے کسی نے بھی اپنے قول پر عمل کرنے کو لازم نہیں کیا۔ اسی سے امام مالک کا قول ہے کہ آپ نے منصور ابی جعفر کو موطا پر مجبوراً عمل کرانے سے روکا۔ جب کوئی عالم کسی معاملہ میں حلت کا قول کرے تو وہ اس میں حق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عالم کے ساتھ مختص ہے اور جو اس عالم کے قول پر عمل کرنے والے ہیں اسی طرح اس کا برعکس بھی ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت سلیمان نے اگرچہ فیصلہ کو سمجھا اور وہ ارجح تھا لیکن پہلا بھی خطا نہیں تھا۔ اس بنا پر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: اذا اجتهد العالم فاخطأ کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس نے افضل میں خطا کی (3)۔

مسئلہ نمبر 8۔ مسلم وغیرہ نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر صحیح جہت کو پالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور فیصلہ کرے اور اجتہاد

1۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق فی المتوفی عنها تنتقل، حدیث 1957، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 22542

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 92،91

کرے پھر غلطی کر جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ امام مسلم کی کتاب میں حدیث کے لفظ اس طرح ہیں: اذا حکم فاجتھد، (1) اجتہاد سے پہلے حکم کا ذکر کیا جبکہ معاملہ برعکس ہے فیصلہ پر اجتہاد مقدم ہوتا ہے پس بالاجماع اجتہاد سے پہلے فیصلہ جائز نہیں۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ (النحل: 98) تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا جب واقعہ میں اجتہاد کرنے کا ارادہ کرے۔ یہ اصولیوں کے قول کی صحت کو مفید ہے۔ مجتہد پر واقعہ کے وقوع کے وقت نئے سرے سے غور وفکر کرنا واجب ہے وہ اپنے پہلے اجتہاد پر اعتماد نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ دوبارہ غور وفکر کرنے کے وقت پہلے اجتہاد کے خلاف ظاہر ہو جائے مگر یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کے ارکان کو یاد کرنیوالا ہو اس کی طرف مائل ہوا اور دوسری نشانی میں نئے غور وفکر کا محتاج نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس حاکم کے لیے اجر ہوتا ہے جو خطا کر جائے جبکہ وہ اجتہاد، سنن اور قیاس کو جاننے والا ہو اور گزشتہ لوگوں کے فیصلوں کو جاننے والا ہو کیونکہ اس کا اجتہاد کرنا عبادت ہے خطا پر اجر نہیں دیا جائیگا بلکہ اس سے صرف گناہ ساقط ہو گا۔ اور وہ شخص جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ متکلف ہوگا حکم میں خطا کی صورت میں معذور نہ ہوگا بلکہ اس پر بڑے گناہ کا خوف ہے۔ اس پر دلیل دوسری حدیث ہے، ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے: القضاۃ ثلاثۃ (2) (الحدیث) ابن منذر نے کہا: صواب کی طلب میں اس کے اجتہاد پر اسے اجر دیا جائے گا نہ کہ خطا پر اجر دیا جائے گا اس کی تائید اس ارشاد سے ہوتی ہے: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ۔ حسن نے کہا: حضرت سلیمان کی تعریف کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت نہیں کی۔

مسئلہ نمبر 10۔ ابوالتمام مالکی نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے اقوال میں سے ایک میں حق ہوگا، تمام مختلف اقاویل میں حق نہیں ہوگا، اکثر فقہاء نے یہی کہا ہے۔ ابن قاسم نے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک سے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مخطی ومصیب (یعنی خطا کرنے والا یا درست جہت کو پہنچنے والا) ہوگا۔ تمام اقوال میں حق نہیں یہ قول امام مالک سے مشہور ہے، محمد بن حسین کا بھی یہی نظریہ ہے جنہوں نے یہ کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے حجت پکڑی ہے انہوں نے کہا: یہ نص ہے کہ مجتہدین اور فیصلہ کرنے والوں میں خطا کرنے والے اور صحیح سمت پہنچنے والے ہیں انہوں نے کہا: یہ قول کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یہ قول اس مسئلہ تک پہنچاتا ہے کہ کوئی چیز حلال، حرام ہو جائے واجب، مستحب ہو جائے۔ پہلے قول والوں نے حضرت ابن عمر کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، فرمایا: جنگ احزاب سے واپسی کے دن رسول اللہ ﷺ نے ندا دی: ”خبردار! کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں (اس سفر میں) لوگوں کو نماز کے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا تو بعض نے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ لی۔ دوسرے صحابہ نے کہا: ہم نماز نہیں پڑھیں گے مگر جہاں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وقت

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 17774

2۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی القاضی یخطئ، حدیث 3102۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب الحاکم یجتہد، حدیث 2305، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فوت بھی ہو جائے''۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کسی فریق پر سختی نہ فرمائی انہوں نے کہا: اگر ایک فریق خطا کرنے والا ہوتا تو نبی مکرم ﷺ اسے معین فرماتے۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے شاید خطا کرنے والوں کی تعیین اس لیے نہ فرمائی ہو کیونکہ وہ گنہگار نہیں تھے بلکہ ماجور تھے۔ پس کسی کی تعیین نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم۔ اجتہاد کا مسئلہ طویل اور بہت سی جہتوں کو رکھتا ہے یہ چیدہ چیدہ گفتگو کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اس آیت سے ایک اور فصل بھی متعلق ہے وہ یہ ہے کہ حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بعد دوسرے اجتہاد کی طرف رجوع کرے جو پہلے اجتہاد سے ارجح ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایسا کیا تھا اس کے متعلق ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ عبدالملک اور مطرف نے (الواضحہ) میں کہا ہے یہ اس کے لیے جائز ہے جب تک وہ اپنی ولایت میں ہو۔ جب دوسری ولایت ہو تو اس کے لیے جائز نہیں وہ دوسرے قضاۃ کی طرح ہوگا؛ یہ المدونہ میں امام مالک کے قول کا ظاہر ہے۔ سحنون نے کہا: قاضی کا اپنے اجتہاد والے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کرنا جس کو وہ صائب دیکھتا ہے جائز نہیں، یہ ابن عبدالحکم کا قول ہے۔ ان دونوں نے فرمایا: جو اس کے نزدیک قوی ہے اس کے ساتھ نیا فیصلہ صادر کرے۔ سحنون نے کہا: مگر یہ کہ اس وقت اس کو قوی قول بھول جائے یا اسے وہم ہو تو پھر اس نے اس کے علاوہ کے ساتھ فیصلہ کر دیا ہو تو اس کے لیے اس فیصلہ کو توڑنا جائز ہے۔ اگر اس نے اس حکم کے ساتھ فیصلہ کیا جو اس وقت اس کے نزدیک قوی تھا پھر اس کے بعد اس کے نزدیک کوئی دوسرا فیصلہ قوی ہو گیا تو پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں؛ یہ سحنون نے اپنے بیٹے کی کتاب میں کہا ہے۔ اشہب نے ابن المواز کی کتاب میں کہا: اگر اس کا رجوع مال میں اصوب کی طرف ہے تو اسے پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز ہے اگر فیصلہ طلاق یا نکاح یا آزادی کا تھا تو اسے پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: قاضی کا اپنے فیصلہ سے رجوع کرنا اولیٰ ہے جب اس کے لیے واضح ہو جائے کہ حق دوسرے قول میں ہے جبکہ وہ اپنی ولایت میں ہو۔ حضرت عمر نے حضرت ابوموسیٰ کو جو خط لکھا تھا اس میں اسی طرح ہے اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ہم نے سورۃ الاعراف میں اس کا ذکر کیا ہے اور تفصیلی نہیں ہے۔ یہ امام مالک کے قول کے ظاہر کے لیے حجت ہے اور علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ قاضی نے جب تجوز اور اہل علم کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ مردود ہوگا اگرچہ وہ اجتہاد کے ساتھ کیا ہو اور قاضی کا دوسرے قاضی کے حکم کو توڑنا جائز نہیں کیونکہ احکام کو توڑنے کی جہت سے اور حلال کو حرام سے تبدیل کرنے، قوانین اسلام ضبط نہ کرنے کی صورت پیش آجائے گی۔ علماء میں سے کسی نے دوسرے کے فیصلہ کو توڑنے کا قول نہیں کیا وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اس کے لیے ظاہر ہو۔

مسئلہ نمبر 12۔ بعض علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ابھی حکم نافذ نہیں کیا تھا اور ان کے لیے وہ ظاہر ہوا جو دوسرے نے کہا تھا۔ دوسرے علماء نے فرمایا: وہ فیصلہ نہیں تھا بلکہ فتویٰ تھا۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو روایت کیا ہے اس کی بھی اسی طرح تاویل کی جاتی ہے انہوں نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ اپنا اپنا بیٹا تھا ایک بھیڑیا آیا اور ایک کا بیٹا لے گیا جس کا بیٹا بھیڑیا لے گیا تھا اس نے اپنی ساتھی

عورت سے کہا: بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری نے کہا: تیرا بیٹا لے گیا ہے۔ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ بڑی عورت کے حق میں کر دیا وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس آئیں اور انہیں اپنا مسئلہ بتایا حضرت سلیمان نے فرمایا: میرے پاس چھری لے آؤ میں اس بچہ کو تمہارے درمیان دو ٹکڑے کر دیتا ہوں چھوٹی عورت نے کہا: ایسا نہ کرو اللہ تجھ پر رحم فرمائے یہ اس کا بیٹا ہے(1)۔ تو حضرت سلیمان نے فیصلہ چھوٹی عورت کے حق میں کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس سے پہلے السکین (چھری) کا لفظ کبھی نہیں سنا تھا ہم چھری کو المدیۃ کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے اور رہا یہ قول کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے فتویٰ تھا ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ یہ واضح کرتا ہے کہ ہر ایک نے فیصلہ دیا تھا اسی طرح حدیث میں فقضیٰ بہ اسکبریٰ آپ نے بڑی کے لیے اس کا فیصلہ کیا۔ یہ قضاء کے انفاذ اور انجاز پر دلیل ہے اور جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شریعت میں بڑی کے لیے فیصلہ ہوتا تھا اس حیثیت سے کہ وہ بڑی ہے۔ یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ بڑا ہونا چھوٹا ہونا دعاوی میں مطرود ہوتا ہے جیسے لمبا ہونا، چھوٹا ہونا، کالا ہونا اور سفید ہونا کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا یہ دونوں جھگڑنے والوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کا موجب نہیں حتی کہ اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے یا اس وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے۔ شرائع سے جو بات سمجھی جاتی ہے یہ قطعی ہے یہ کہنا چاہیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سبب سے بڑی کے لیے فیصلہ کیا جس کی وجہ سے ان کے نزدیک بڑی کا قول راجح تھا۔ حدیث میں اس کی تعیین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی حاجت نہیں تھی ممکن ہے بچہ اس کے قبضہ میں ہو اور دوسری کا دلیل قائم کرنے سے عاجز ہونا آپ کے نزدیک ثابت ہو گیا ہو پس آپ نے موجود صورت کو برقرار رکھتے ہوئے فیصلہ کر دیا ہو۔ اس حدیث کی تاویل میں جو کہا گیا ہے سب سے بہتر یہی قول ہے یہ وہ فیصلہ ہے جس کے لیے ان دعاوی شرعیہ کا قاعدہ تائید کرتا ہے جو شرائع کے اختلاف کو دور کرتا ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام نے سبب شرعی کے ساتھ فیصلہ کیا تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کے فیصلہ کو توڑنا کیسے جائز تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باپ کے فیصلہ کو توڑنے سے تعرض نہیں کیا انہوں نے تو ایک لطیف حیلہ کیا جس کی وجہ سے ان کے لیے چھوٹی کی سچائی ظاہر ہوئی۔ وہ حیلہ یہ تھا کہ جب آپ نے فرمایا: چھری لے آؤ میں اسے تمہارے درمیان دو ٹکڑے کر دوں تو چھوٹی نے کہا: ایسا نہ کرو، تو آپ کے لیے چھوٹی میں شفقت کا قرینہ ظاہر ہوا اور بڑی میں یہ نہیں تھا اس کے ساتھ ساتھ دوسرے قرائن بھی آپ کو مل گئے جن کی بنا پر آپ نے اس کے لیے فیصلہ کر دیا شاید آپ ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لیے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز قرار دیا گیا ہو۔ نسائی نے اس حدیث کا یہ عنوان باندھا ہے حکم الحاکم بعلمه (حاکم کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا اور یہ بھی عنوان باندھا ہے) السعة للحاکم أن يقول للشئ الذی لایفعل افعل یستبین الحق اور یہ عنوان بھی باندھا ہے نقض الحاکم لایحکم به غیرہ فمن هو مثله أو أجل منه شاید بڑی عورت نے اعتراف کر لیا ہو بچہ چھوٹی کا ہے جب حضرت سلیمان کا اس نے دو ٹکڑے کرنے میں عزم اور یقین دیکھا

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8280

ہو پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ چھوٹی کے لیے کر دیا یہ اس طرح ہوگا جس طرح حاکم قسم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ جب وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہوتا ہے تو وہ شخص آجاتا ہے جو منکر سے ایسی بات نکالتا ہے جو اس کے اقرار کو واجب کرتی ہے پس وہ اس کے خلاف ان کے اقرار کے ساتھ قسم سے پہلے اور قسم کے بعد فیصلہ کر دیتا ہے یہ پہلے حکم کے توڑنے کے باب سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اسباب کے تبدیل ہونے کے مطابق احکام کے تبدیل ہونے کے باب سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ انبیاء کے لیے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حکام کے لیے ان حیلوں کا استعمال جائز ہے جن کے ذریعے حقوق ظاہر کیے جاتے ہیں اور یہ ذکاوت وفطانت اور قوت سے ہوتا ہے اور مخلوق کے احوال کی مہارت سے ہوتا ہے۔ اور کبھی اہل تقویٰ کے لیے فراست دینیہ ہوتی ہے اور نوری علامات ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اس میں یہ کہنے والے کے لیے حجت ہے کہ ماں کی طرف اس کو لاحق کیا جائے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب نہیں ہے اور نہ یہ اس مسئلہ کو ذکر کرنے کا مقام ہے۔ بہر حال حضرت سلیمان کا اس واقعہ میں ایسا فیصلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح بیان فرمائی: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ۔

مسئلہ نمبر 13۔ کھیتی کے بارے میں قول اور ہماری شریعت میں اس واقعہ کا حکم گزر چکا ہے کہ باغوں والے اور کھیتوں والے دن کے وقت اپنے باغات کی حفاظت کریں گے پھر مثلی چیزوں میں ضمانت مثلی چیزوں کے ساتھ ہوگی اور ذوالقیم میں قیمت کے ساتھ ہوگی۔ اس مسئلہ میں اصل ہماری شریعت میں وہ فیصلہ ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، جو حضرت براء بن عازب کی اونٹنی کے بارے میں تھا جس کو امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس نے اس کو خراب کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ "باغ والوں پر دن کے وقت ان کی حفاظت کرنا ہے مویشی جو رات کے وقت کھیت خراب کر دیں تو ان کے مالکوں پر اس کی ضمانت ہوگی" (1)۔ اسی طرح تمام رداۃ نے مرسلاً روایت کی ہے اسی طرح ابن شہاب کے شاگردوں نے ابن شہاب سے روایت کی ہے مگر ابن عیینہ نے زہری سے انہوں نے سعید اور حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ اونٹنی الخ انہوں نے اس کی مثل حدیث بیان کی۔ اس حدیث کو ابن ابی ذئب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ انہیں خبر پہنچی ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی ایک قوم کے باغ میں داخل ہوگئی۔ امام مالک کی حدیث کی مثل بیان کی مگر انہوں نے حرام بن سعید بن محیصہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابو عمر نے کہا ابن ابی ذئب نے کچھ بھی نہیں کہا مگر انہوں نے اس کی سند کو خراب کر دیا۔ عبد الرزاق نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حرام بن محیصہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ عبد الرزاق کا کوئی متابع نہیں ہے اور عن ابیہ کے قول پر بعض علماء نے انکار کیا ہے۔ ابن جریج نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے فرمایا مجھے ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بتایا کہ اونٹنی ایک قوم کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس نے اسے خراب کر دیا۔ پس ابن شہاب کی حدیث کو حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے اور حضرت

1۔ ابوداؤد، باب المواشی الخ، حدیث 3099۔ ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب الحکم فی ما افسدت المواشی، حدیث 2322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

براء کے لیے اونٹنی کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ حدیث ابن شہاب عن ابن محیصہ سے روایت ہو اور سعید بن مسیب نے روایت کی ہو اور حضرت ابوامامہ سے مروی ہے اور جس سے چاہا روایت کیا اور جو لوگ موجود تھے انہوں نے انہیں بیان کیا اور تمام ثقہ ہیں۔ ابوعمر نے کہا: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے یہ حدیث مشہور ہے ائمہ حدیث نے اسے مرسل بنایا ہے اور ثقات نے اس کو بیان کیا ہے۔ فقہاء حجاز نے اس کو استعمال کیا ہے اور قبولیت کے ساتھ لیا ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں اس پر عمل جاری ہوا ہے۔ تیرے لیے اہل مدینہ اور اہل حجاز کا اس حدیث کو استعمال کرنا کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ مالک اور جمہور ائمہ نے حدیث براء کو لیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور کوفیوں کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ جانور جب کھیتی کو خراب کر دیں خواہ دن ہو یا رات ہو تو جانور والے پر کچھ لازم نہ ہوگا اور ان ائمہ نے اس کے فساد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے" (یعنی اس کی ضمانت نہ ہوگی جانور جس کو زخمی کر دے گا) کے عموم میں داخل کیا ہے۔ اور جانوروں کے تمام اعمال کو ان کے زخمی کرنے پر قیاس کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا ہے۔ العجماء والی حدیث میں نہ ان کی حجت ہے اور نہ ان کے متبعین کے لیے حجت ہے اور حدیث براء کے لیے نہ ناسخ ہے اور نہ اس کی معارض ہے کیونکہ نسخ کی شروط نہیں پائی جاتیں اور تعارض وہاں ہوتا ہے جب ایک کے استعمال سے دوسری کی نفی لازم آتی ہو اور العجماء جرحها جبار (جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے) میں عموم متفق علیہ ہے پھر اس سے کھیتی اور باغ کو حدیث البراء کے ذریعے خاص کیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہ آیا العجماء جرحها جبار نهاراً لا ليلاً وفي الزرع والحوائط والحراث پھر بھی یہ قول محال نہ تھا پھر یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ یہ متعارض ہے؟ یہ عموم اور خصوص کے باب سے ہے جیسا کہ یہ اصول میں مذکور ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اگر کہا جائے کہ رات اور دن کے درمیان تفریق کرنے میں کیا حکمت ہے؟ لیث بن سعد نے کہا: رات اور دن کے وقت مویشی اگر نقصان کر جائیں تو مویشیوں والے ضامن ہوں گے ہر اس مال کے جس کو وہ خراب کر دیں گے لیکن مویشی کی قیمت سے زیادہ ضمانت نہ ہوگی؟ ہم نے کہا: ان کے درمیان فرق واضح ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ مویشیوں والوں کو دن کے وقت مویشیوں کو چرانے کے لیے چھوڑنا ہوتا ہے ان کے نزدیک اغلب یہ ہے کہ جس کے پاس کھیتی ہو وہ دن کے وقت اس کا خیال کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے پس دن کے وقت کھیتی کی حفاظت کھیت والوں پر رکھی کیونکہ یہ معاش میں تصرف کا وقت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۝ (النبا) اور جب رات ہوتی ہے تو ہر چیز اپنی جگہ اور مسکن کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ (القصص: 72) اور فرمایا: وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (الانعام:96)

رات کے وقت مویشیوں والے اپنے مویشی اپنی جگہ پر لوٹاتے ہیں تاکہ ان کی حفاظت کریں جب مویشی والا اس کو گھر لوٹانے میں کوتاہی کرے گا یا رات کے وقت اس کو اچھی طرح باندھنے میں کوتاہی کرے گا حتیٰ کہ وہ کسی چیز کو تلف کر دے گا تو مالک پر ضمانت ہوگی پس حکم آسان طریقہ پر جاری ہوگا اس میں دونوں فریقوں کے لیے آسانی ہے اور دونوں فریقوں کے

لیے سہولت ہے اور دونوں کے اموال کے لیے زیادہ حفاظت ہے۔ صاحب نظر کے لیے مسئلہ واضح ہے لیکن جو آنکھوں سے محروم ہے اس کے لیے نہیں رہے۔ لیث کا قول کہ جانور کی قیمت سے زیادہ ضمانت نہ ہوگی۔ ابو عمر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ لیث بن سعد نے یہ قول کہاں سے لیا ہے مگر یہ کہ جرم کرنے والے غلام پر اسے قیاس کیا ہو تو اس کی قیمت سے زیادہ نہیں دیا جاتا اور جنایت کی صورت میں اس کے مالک پر اس کی قیمت سے زیادہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ وجہ ضعیف ہے اسی طرح التمہید میں کہا اور الاستذکار میں فرمایا انہوں نے العجماء جرحها جبار کی مخالفت کی اور ناقة البراء والی حدیث کی مخالفت کی ان سے پہلے بھی چند علماء کا یہ قول ہے جن میں سے عطا بھی ہے۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے کہا کھیتی میں جانور اگر رات یا دن کے وقت پڑ جائے تو کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا: مالک اس کی چٹی دے گا۔ میں نے کہا: خواہ اس پر اسے روکنا ہو یا نہ ہو۔ عطا نے کہا: ہاں وہ ہر صورت میں چٹی دے گا۔ میں نے کہا: کیا چٹی دے گا؟ عطا نے کہا: جو گدھے، جانور اور ماشیہ نے کھایا اس کی چٹی دے گا۔ معمر نے ابن شبرمہ سے روایت کیا ہے: کھیتی جس حالت میں تھی اس کی دراہم کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما سے غیر صحیح طرق سے مروی ہے کہ رب الماشیہ (جانور کا مالک) ہر صورت میں ضامن ہوگا خواہ رات ہو یا دن ہو۔

مسئلہ نمبر 16۔ امام مالک نے فرمایا: کھیتی جس کو رات کے وقت مویشیوں نے خراب کیا اس کی رجا اور خوف پر قیمت لگائی جائے گی۔ فرمایا: وہ باغات جن کی حفاظت کی جاتی ہے اور جن کی حفاظت نہیں کی جاتی ہے اور جن سے روکا جاتا ہے اور جن سے روکا نہیں جاتا برابر ہے۔ ہر صورت میں مویشیوں کے مالکوں کو ضمانت دینی ہوگی جب رات کے وقت ان کے مویشی نقصان کریں گے خواہ وہ نقصان کہاں تک پہنچ جائے اگرچہ وہ مویشیوں کی قیمت سے زائد بھی ہو۔ فرمایا: جب ایک جانور رات کے وقت کھل جائے اور وہ کسی سوئے ہوئے آدمی کو لتاڑ دے تو اس کا مالک کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا یہ حکم باغ، زرع اور حرث میں ہے ابن عبد الحکم نے امام مالک سے یہ روایت کیا ہے۔ ابن القاسم نے کہا: رات کے وقت جانور جو نقصان کرے گا وہ اس جانور کے مالک کے مال میں ہوگا اگرچہ وہ نقصان اس جانور کی قیمت سے کئی گنا زیادہ بھی ہو کیونکہ جنایت اس کی طرف سے ہے جب اس نے جانور کو صحیح نہیں باندھا۔ جانور، غلام کی طرح نہیں ہے؛ یہ سحنون اور اصبغ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ کھیتی کے اگنے یا نہ اگنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ چھوٹے بچے کی عمر میں کیا جاتا ہے: عیسیٰ نے ابن قاسم سے روایت کیا ہے کہ اس کی قیمت لگائی جائے گی جبکہ وہ اتنی ہو چکی ہو کہ اس کی بیع حلال ہو۔ اشہب اور ابن نافع نے المجموعۃ میں کہا: اگرچہ اس کی منفعت ظاہر نہ بھی ہوئی ہو۔ ابن عربی نے کہا: پہلا قول قوی ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے پس اس کی قیمت لگائی جائے گی جس طرح ہر تلف شدہ مال کی اس کی صفت پر قیمت لگائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اگر اس کے لیے کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا جس کی کھیتی خراب ہوئی ہے حتی کہ اس کی کھیتی پھر اُگ آئی اور اس کی کمی پوری ہوگئی اگر تو اس میں اس سے پہلے چرنے کی یا کوئی اور منفعت تھی تو اس منفعت کا ضامن ہوگا اگر اس میں کوئی منفعت نہ تھی تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اصبغ نے کہا: وہ ضامن ہوگا کیونکہ تلف ہونا متحقق ہو چکا ہے اور پھر کھیتی کا تیار ہونا اس کی

طرف سے نہیں ہے۔ پس اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 19۔ ابن سحنون کی کتاب میں واقع ہے کہ یہ حدیث ان شہروں کے بارے میں ہے جو چار دیواری کے ساتھ گھیرے گئے ہوتے ہیں۔ رہے وہ شہر جن کی کھیتیاں متصل ہوتی ہیں اور ان کے اردگرد باڑ وغیرہ نہیں ہوتی اور باغات بھی اسی طرح کھلے ہوتے ہیں تو بکریوں والے اس کے ضامن ہوں گے جو وہ خراب کریں گے خواہ وہ رات ہو یا دن ہو گویا ان کا خیال ہے کہ ایسے شہروں میں حیوانوں کو کھلا چھوڑنا ضرور خرابی کا باعث ہوگا؛ یہ لیث کے قول کی طرف میلان ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اصبغ نے مدینہ میں کہا: مویشیوں والوں کے لیے دیہاتوں کی طرف بغیر چرواہوں کے نکالنا جائز نہیں۔ علماء نے اس بنا پر کہا کہ کوئی جگہ کھیت کے ٹکڑے یا چراگاہ کے ٹکڑے سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر کھیت کا ٹکڑا ہو تو جانور اس میں داخل نہ ہوگا مگر وہ جس کی حاجت ہوگی اس کے مالکوں پر اس کی حفاظت لازم ہے اور جو وہ خراب کرے گا اس کا مالک ضامن ہوگا خواہ دن ہو یا رات ہو اور اگر چراگاہ کا ٹکڑا ہو تو کھیت والے کو اپنی حفاظت خود کرنی ہے، مویشیوں والوں پر کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 21۔ مویشیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کھلے پھرتے ہیں ایک وہ جو باڑوں میں بند کیے جاتے ہیں۔ امام مالک نے ان کی یہی تقسیم کی ہے۔ وہ جو کھیتوں اور پھلوں کے عادی ہوتے ہیں تو امام مالک نے فرمایا: انہیں ایسے شہروں میں نکالا اور بیچا جائے گا جہاں کھیت نہیں ہوتے اور ابن القاسم نے الکتاب وغیرہ میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبیب نے کہا: اگرچہ اس کا مالک اسے ناپسند بھی کرے۔ اسی طرح امام مالک نے اس جانور کے بارے میں کہا ہے جو کھیتی کو خراب کرنے کا عادی ہو اسے نکالا جائے گا اور بیچا جائے گا۔ رہے وہ جانور جس سے حفاظت کی جاسکتی ہے تو اس کے مالک کو اسے نکالنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اصبغ نے کہا: شہد کی مکھی، کبوتر، مرغی، جانور کی طرح ہے ان کے رکھنے سے اس کے مالک کو منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ نقصان کرتی بھی ہوں۔ دیہات والوں پر کھیتوں کی حفاظت کرنا ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: یہ روایت ضعیف ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو ایسی چیز رکھنے کا ارادہ کرے گا جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتی تو اسے رکھنے کی اجازت دی جائے گی لیکن جس چیز سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی وہ دوسروں کے نقصان کا باعث ہے تو پھر اسے اجازت نہیں ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا ضرر ولا ضرار نہ نقصان اٹھایا جائے گا اور نہ نقصان پہنچایا جائے گا۔ یہ نقصان پہنچانے والے جانور ہیں۔ ابن القاسم کی روایت ہے کہ ان کے مالکوں پر تاوان نہیں ہے مگر یہ کہ وہ انہیں خود نقصان کرنے کے لیے بڑھائیں۔ ابن عربی نے کہا: ان پر تاوان ہوگا تقدم سے پہلے بھی جب وہ نقصان کرنے والے ہوں۔

مسئلہ نمبر 23۔ عبد الرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ان کی بکری جولاہے کی تانی میں داخل ہوگئی (اس نے اس کے دھاگے توڑ دیے) تو وہ جھگڑا قاضی شریح کے پاس لے آئے۔ شعبی نے کہا: اس کو دیکھو وہ ان سے سوال کریں گے کہ وہ دن کے وقت واقع ہوئی یا رات کے وقت داخل ہوئی پس قاضی شریح نے ایسا ہی

کیا پھر کہا: اگر رات کو ایسا ہوا ہے تو بکری کا مالک ضامن ہوگا اور اگر دن کے وقت ایسا ہوا ہے تو ضامن نہ ہوگا پھر شریح نے یہ آیت پڑھی: اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ فرمایا: النفش کا معنی رات کو چرنا ہے اور الهمل کا معنی دن کو چرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس باب سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: العجماء جرحها جبار جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے یعنی اس کا تاوان نہیں ہوگا۔ ابن شہاب نے کہا: الجبار کا معنی رائیگان ہونا ہے۔ العجماء سے مراد جانور ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ اکیلا جانور نقصان کردے تو اس میں کچھ نہیں ہے یہ مجمع علیہ ہے اور اگر اس کے ساتھ مہار پکڑنے والا ہو یا پیچھے سے ہانکنے والا ہو یا اس پر سوار ہو پھر مالک نے اسے کسی چیز کو روندنے کے لیے ابھارا اور اس نے اس چیز کو تلف کر دیا تو تلف کرنے والے کا حکم اس پر لاگو ہوگا اگر اس نے ایسی جنایت کردی جس میں قصاص ہے اور اس کا اس پر چڑھانا عمداً تھا تو اس میں قصاص ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ جانور آلہ (قتل) کی طرح ہے اگر بلا ارادہ ایسا ہو ہے تو اس میں عاقلہ پر دیت ہوگی اور مال کے تلف کرنے کی صورت میں مجرم کے مال میں چٹی ہوگی۔

مسئلہ نمبر 24۔ علماء کا اس کے بارے اختلاف ہے جس کو جانور نے پاؤں یا دم کے ساتھ نقصان پہنچایا۔ امام مالک، لیث اور اوزاعی اس کے مالک پر ضمانت نہیں لگاتے جبکہ امام شافعی، ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ اس پر ضمانت لگاتے ہیں۔ نقصان کرنے والے جانور جمہور کے نزدیک دوسرے جانوروں کی طرح ہیں۔ امام مالک اور بعض ان کے اصحاب اس کو ضمانت لگاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 25۔ سفیان بن حسین نے زہری سے انہوں نے سعید بن مسیب سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''پاؤں سے جانور جنایت کرے تو رائیگاں ہے''(1)۔ دارقطنی نے کہا: سفیان بن حسین کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں۔ زہری سے روایت کرنے میں حفاظ حدیث نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان میں سے امام مالک، ابن عیینہ، یونس، معمر، ابن جریج، زبیدی، عقیل، لیث بن سعد وغیرہم ہیں، تمام زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: العجماء جبار والبئر جبار والمعدن جبار، جانور کسی کو نقصان پہنچا دے تو وہ رائیگاں ہے، کنویں میں کوئی گر کر مرجائے تو رائیگاں ہے، کان میں کوئی مرجائے تو رائیگاں ہے۔ ان تمام نے (پاؤں سے جانور نقصان پہنچائے تو رائیگاں ہے) کو ذکر نہیں کیا اور یہی درست ہے اسی طرح اس کو ابو صالح سمان، عبدالرحمن اعرج، محمد بن سیرین، محمد بن زیاد وغیرہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بھی الرجل جبار کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی محفوظ ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ البئر جبار اس کی جگہ النار جبار بھی مروی ہے۔ دارقطنی نے کہا ہمیں حمزہ بن قاسم ہاشمی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں حنبل بن اسحاق نے بتایا انہوں نے کہا میں نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل کو عبدالرزاق کی حدیث میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث والنار جبار کچھ نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ ہمیں مخلد نے بتایا انہوں

1۔ ابوداود، باب فی الدابۃ تنفح برجلہا حدیث 3976

نے کہا ہمیں ابو اسحاق ابراہیم بن معانی نے بتایا فرمایا میں نے احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل یمن النار کو النیر لکھتے ہیں اور اس کی مثل البیر لکھتے ہیں۔ عبد الرزاق نے النار جبار کی تلقین کی (1)۔ رمادی نے کہا: عبد الرزاق نے کہا معمر نے کہا: میرا خیال ہے یہ وہم ہے۔ ابو عمر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے معمر کی حدیث جو انہوں نے ہمام بن منبہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: النار جبار، یحییٰ بن معین نے کہا: اس کی اصل البئر جبار تھا معمر نے اس میں تصحیف کی ہے۔ ابو عمر نے کہا: ابن معین نے اپنے اس قول پر دلیل پیش نہیں کی۔ ثقت کی حدیث کو اس طرح رد نہیں کیا جاتا۔ وکیع نے عبد العزیز بن حصین سے انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ غسانی سے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے کھیت کے تنکے جلائے تو آگ کی ایک چنگاری اڑی اور اس نے پڑوسی کے کھیت کا کچھ حصہ جلا دیا۔ فرمایا: انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو اس کے متعلق لکھا تو انہوں نے مجھے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العجماء جبار، اور میرا خیال ہے ان النار جبار اور العجماء کی جگہ السائمۃ جبار بھی مروی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں یہ وارد ہے اور ہر معنی کے لیے لفظ صحیح مذکور ہے۔ شرح حدیث میں اور کتب فقہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ، وہب نے کہا داؤد علیہ السلام پہاڑوں کے پاس تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو پہاڑ انہیں تسبیح کے ساتھ جواب دیتے۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب حضرت داؤد علیہ السلام کمزوری محسوس کرتے تو پہاڑوں کو حکم دیتے تو وہ تسبیح کرتے حتی کہ آپ کا اشتیاق بڑھ جاتا اسی وجہ سے فرمایا: وَّسَخَّرْنَا یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا کہ وہ ان کی اطاعت کرتے جب وہ انہیں تسبیح کرنے کا حکم کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: پہاڑوں کا آپ کے ساتھ چلنا ان کا تسبیح کرنا ہے۔ التسبیح، السباحۃ سے ماخوذ ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ (سبا:10) قتادہ نے کہا: یسبحن کا مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے جب آپ نماز پڑھتے۔ التسبیح سے مراد نماز ہے۔ یہ تمام احتمال ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیونکہ پہاڑ عقل نہیں رکھتے۔ پس ان کا تسبیح کرنا، اللہ تعالیٰ کی عاجز اور محدث کی صفات سے پاکیزگی بیان کرنے پر دلالت ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝

''اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لیے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے تو کیا تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرنے والے ہو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ یعنی لوہے کو داؤد کے لیے نرم کر کے زرہ بنانے کا ہنر سکھایا۔ عربوں کے نزدیک لبوس ہر ہتھیار کو کہتے ہیں خواہ وہ زرہ ہو یا جوشن (زرہ) ہو یا تلوار ہو یا نیزہ ہو۔ ہذلی نیزے کی تعریف کرتا ہے:

1۔ ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب الجبار، حدیث 2665۔ ابو داؤد، باب فی النار تعدی، حدیث 3978 ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَمَعِي لَبُوسٌ لِلْبَئِيسِ كَأَنَّهُ رَوْقٌ بِجَبْهَةِ ذِي نِعَاجٍ مُجْفِلِ

اللبوس ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو پہنی جاتی ہے، ابن سکیت نے کہا:

الْبَسْ لِكُلِّ حَالَةٍ لَبُوسَهَا إِمَّا نَعِيمَهَا إِمَّا بُوسَهَا

اللہ تعالیٰ نے یہاں لبوس سے زرہ کا ارادہ کیا ہے۔ یہ لبوس بمعنی ملبوس ہے جیسے رکوب اور حلوب بمعنی مفعول استعمال ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: سب سے پہلے زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی۔ پہلے سیدھی ہوتی تھیں سب سے پہلے آپ نے اس کے حلقے بنائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِتُحْصِنَكُمْ تا کہ تمہیں بچائے۔ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ تمہاری جنگ سے۔ بعض علماء نے فرمایا: بَاْسِكُمْ سے مراد تلوار، تیر اور نیزہ ہے یعنی تمہاری جنگ کے آلات سے۔ مضاف حذف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس بنیدیہ نے فرمایا: مِّنْۢ بَاْسِكُمْ سے مراد من سلاحکم (تمہارے ہتھیاروں سے) ہے۔ ضحاک نے کہا: من حرب اعداءکم تمہارے دشمن کی جنگ سے۔ مفہوم ایک ہی ہے۔ حسن، ابو جعفر، ابن عامر، حفص اور روح نے لتحصنکم کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمیر کو الصنعة کی طرف لوٹاتے ہوئے۔ بعض نے کہا: اللبوس اور الصنعة کی طرف ضمیر راجع ہے جس کا مطلب زرہیں ہیں۔ شیبہ، ابوبکر مفضل، رویس، ابن ابی اسحاق نے، لنحصنکم نون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پیچھے ہے وَعَلَّمْنٰهُ باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے فعل کو لبوس کے لیے بنایا ہے یا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ تمہیں بچائے گا۔ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۞ کیا تم زرہ کی نعمت کو آسان کرنے پر شکر کرتے ہو۔ بعض نے فرمایا: هل انتم شاكرون کیا تم میرے رسول کی اطاعت کر کے شکر کرتے ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اسباب اور صنائع کے استعمال میں اصل ہے، یہ صاحب العقول لوگوں کا قول ہے۔ یہ ان جہلاء اور اغنیاء کا قول نہیں جو کہتے ہیں: یہ ضعفاء کے لیے شروع کی گئی۔ سبب کا بنانا اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سنت ہے۔ پس جس نے سبب میں طعن کیا اس نے کتاب وسنت میں طعن کیا اور اس کو ضعف اور عدم احسان کی طرف منسوب کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اسی طرح وہ کھجور کے پتوں سے چیزیں بناتے تھے، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لکڑی کا کام کرتے تھے۔ حضرت لقمان درزی تھے۔ حضرت طالوت کھالوں کی دباغت کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: پانی بھرتے تھے۔ ہنر انسان کے نفس کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکتا ہے اور ان کے نفس سے ضرر اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہو، عاجزی کرنے والا ہو، لوگوں سے سوال نہ کرنے والا ہو، اصرار سے سوال کرنے والے سے بغض رکھتا ہو'' (1)۔ اس کا مزید بیان سورۃ الفرقان میں آئے گا۔ کچھ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں کفایت ہے۔ واللہ اعلم۔

1۔ طبرانی، الکبیر، 10442

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝۸۱ وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝۸۲

''اور ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنادیا تھا اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کردیئے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لیے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً یعنی ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا۔ کہا جاتا ہے: عصفت الریح ہوا تیز ہوگئی، ریح عاصف و عصوف تند و تیز ہوا۔ بنی اسد کی لغت میں أعصفت الریح فھی معصف و معصفۃ استعمال ہوتا ہے۔ العصف بھوسے کو کہتے ہیں اور اس کے ساتھ تیز ہوا کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بھوسے کو تیزی سے اڑاتی ہے۔ عبد الرحمن اعرج، سلمی اور ابو بکر نے ولسلیمان الریح یعنی حا کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور ماقبل سے قطع کرنے کی بنا پر معنی یہ ہے کہ سلیمان کے لیے ہوا کو فرمانبردار کرنا۔ یہ مبتدا خبر ہیں۔

تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا، الْاَرْضِ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ روایت ہے کہ ہوا حضرت سلیمان اور آپ کے ساتھیوں کو وہاں لے جاتی جہاں آپ کا ارادہ ہوتا تھا پھر آپ کو شام کی طرف لوٹا دیتی۔ وہب نے کہا: حضرت سلیمان بن داؤد جب اپنی مجلس کی طرف نکلتے تو پرندے آپ پر رک جاتے اور جن و انس آپ کے لیے کھڑے رہتے حتی کہ آپ اپنے تخت پر بیٹھ جاتے۔ آپ جنگجو تھے۔ جنگ سے کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ جب آپ جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ تخت کو بچھانے کا حکم دیتے، تخت بچھایا جاتا اور اس پر لوگوں کو سوار کیا جاتا جانور اور آلات حرب بھی سوار کیے جاتے پھر آپ تیز ہوا کو حکم دیتے تو وہ اس تخت کو اٹھا لیتی پھر آپ نرم ہوا کو حکم دیتے تو وہ صبح اور شام کے وقت ایک ایک مہینہ کی مسافت سے چلتی۔ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ (ص) کا یہی معنی ہے۔ الرخاء کا معنی نرم ہے۔ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ یعنی یہ سب کچھ ہم نے کیا جبکہ ہم اس کی تدبیر کو جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ یعنی ہم نے ان کے لیے مسخر کردیا انہیں جو غوطہ لگاتے تھے یعنی پانی کے نیچے جاتے تھے اور سمندر سے حضرت سلیمان کی خاطر جواہر نکالتے تھے۔ الغوص کا معنی ہے پانی کا نیچے اترنا۔ غاص فی الماء پانی کے نیچے گیا اور الھاجم علی الشیٔ کسی چیز پر حملہ کرنے والے کو غائص کہتے ہیں۔ الغواص جو موتیوں پر سمندر میں غوطہ لگاتا ہے اس کے فعل کو غیاصۃ کہتے ہیں۔

وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی غواص کے عمل کے علاوہ عمل کرتے تھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد محاریب، تماثیل وغیرہ کے کام ہیں جن میں آپ جنوں کو لگائے رکھتے تھے۔ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ ان کے اعمال کی نگرانی کرنے والے تھے۔ فراء نے کہا: اس کا مطلب ہے اعمال کو خراب کرنے سے پہلے ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔ بعض نے کہا: اس میں بنی آدم میں سے کسی پر حملہ کرنے سے ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی

ہے کہ ہم ان کے بھاگنے اور انکار کرنے سے حفاظت کرنے والے تھے یا یہ کہ ہم نے ان کی حفاظت کی کہ کہیں اس کے امر سے نکل نہ جائیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمام، چونا، بال گرانے والی چیزیں، شیشے اور صابون جنوں کے استخراج سے ہے۔

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ۝

''اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کیے اسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ یعنی یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ میرے بدن میں اور میرے مال اور اہل میں مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایوب کو ایوب اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام روم کے ایک مالدار آدمی تھے۔ انتہائی نیکوکار اور متقی تھے۔ مسکینوں پر بہت رحم فرماتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے۔ مہمان کی عزت کرتے تھے۔ مسافر کو مال پہنچاتے تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ ایک جابر شخص کے پاس گئے پس انہوں نے اسے ایک کام کے لیے مخاطب کیا حضرت ایوب اس کے بیے نرمی سے بات کر رہے تھے اپنی کھیتی کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے مال اور اہل لے کر اور جسم میں تکلیف دے کر انہیں آزمائش میں ڈال دیا آپ کے جسم سے گوشت گر گیا تھا اور جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ شہر والوں نے آپ کو شہر سے باہر نکال دیا آپ کی بیوی آپ کی خدمت کرتی تھی۔ حسن نے کہا: آپ نو سال چھ ماہ اسی کیفیت میں رہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکلیف دور کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ (ص) اس پانی میں تمہاری شفا ہے میں نے تجھے تیرے اہل، مال اور اولاد بھی واپس کر دیے اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور بھی عطا کیے۔ مزید تفصیل سورۂ (ص) میں آئے گی۔ اور جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ شیطان کو آپ پر تسلط دیا گیا تھا اور مفسرین کا رد بھی انشاء اللہ آئے گا۔ حضرت ایوب کے قول: مَسَّنِیَ الضُّرُّ میں پندرہ اقوال ہیں۔ (۱) آپ نماز پڑھنے کے لیے اٹھے تو آپ نہ اٹھ سکے تو آپ نے عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ یہ آپ نے اپنی حالت کو بیان کرنے کے لیے کہا۔ مصیبت کی وجہ سے شکوہ نہیں۔ حضرت انس نے اس کو مرفوع ذکر کیا ہے۔ (۲) یہ عجز کا اقرار ہے یہ صبر کے منافی نہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر یہ جاری فرمایا تا کہ آپ کے بعد آنے والے اہل بلا کے لیے حجت ہو جائے، وہ مصیبت میں یہ اظہار کر سکیں۔ (۴) یہ آپ کی زبان پر جاری فرمایا یہ الزام

کرنے کے لیے کہ انسان تکلیف برداشت کرنے میں ضعیف اور کمزور ہے۔(۵) چالیس دن آپ سے وحی کا سلسلہ منقطع رہا آپ اپنے رب کے چھوڑنے سے خوفزدہ ہوئے اور عرض کی: مَسَّنِيَ الضُّرُّ؛ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے۔(۶) آپ کے تلامذہ آپ سے وحی اور دین کی باتیں لکھتے تھے جب آپ کی تکلیف اس انتہا کو پہنچی تو انہوں نے اس کو مٹانا شروع کر دیا اور انہوں نے کہا: اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر نہیں ہے۔ پس آپ نے وحی کے ضائع ہونے اور لوگوں کے ہاتھوں سے دین کے چلے جانے کی تکلیف محسوس کی۔ اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔(۷) کیڑا آپ کے جسم سے گرا تو آپ نے اسے پکڑا اور اسے اپنے جسم پر اپنی جگہ پر رکھ دیا اس نے آپ کو کاٹا تو آپ نے چیختے ہوئے کہا: مَسَّنِيَ الضُّرُّ تو کہا گیا: کیا تو ہم پر صبر کرتا ہے؟ ابن عربی نے کہا: یہ بہت بعید قول ہے نیز اس کے لیے نقل صحیح کی بھی ضرورت ہے اور اس کے وجود کا کوئی راستہ نہیں۔(۸) کیڑے آپ کو کھاتے رہے تو آپ صبر کرتے رہے حتیٰ کہ ایک کیڑے نے دل پر حملہ کیا اور دوسرے نے زبان پر حملہ کیا تو آپ نے کہا: مَسَّنِيَ الضُّرُّ تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم نہ ہو جاؤں۔ ابن عربی نے کہا: یہ عمدہ قول ہے اگر اس کی سند ہو جبکہ دعویٰ لمبا چوڑا نہیں ہے۔(۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت میں گرفتار کرنے کی جہت کو مخفی رکھا کیا یہ تادیب تھی یا تعذیب، یا تخصیص تھی یا تمحیص یا ذخر تھا یا طہر تھا۔ آپ نے عرض کی: مَسَّنِيَ الضُّرُّ یعنی تکلیف میں مبتلا کرنے کی جہت میں اشکال کی تکلیف مراد ہے۔ ابن عربی نے کہا یہ غلو ہے اس کی ضرورت نہیں۔(۱۰) حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ آپ نے کہا: میں ستر سال نعمتوں میں رہا اور سات سال مصیبت میں گرفتار رہا ہوں اس وقت میں اس سے سوال کروں آپ نے اتنا عرض کیا: مَسَّنِيَ الضُّرُّ ابن عربی نے کہا: یہ ممکن ہے لیکن آپ کی مدت اقامت کے بارے میں کوئی خبر صحیح نہیں ہے۔ اور نہ آپ کے واقعہ میں کوئی حدیث صحیح ہے۔(۱۱) آپ کی بیوی کو شیطان نے کہا: تو میرے لیے سجدہ کر تو اس قول نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ میری بیوی کا ایمان ضائع ہو جائے گا اور وہ ہلاک ہو جائے گی۔ اور آپ بغیر کسی کفیل کے رہ جائیں گے۔(۱۲) جب آپ پر آزمائش ظاہر ہوئی تو آپ کی قوم نے کہا: اس کا ہمارے ساتھ ہونا ہمیں تکلیف دیتا ہے پس اسے ہم سے دور کرنا چاہیے۔ آپ کی بیوی آپ کو شہر سے باہر نکال کر لے گئی لوگ جب آپ کو دیکھتے تو دیکھ کر بری فال پکڑتے پھر انہوں نے کہا: اسے اتنا دور ہونا چاہیے کہ ہم اسے دیکھ نہ سکیں۔ پھر آپ شہر سے بہت دور چلے گئے۔ آپ کی بیوی آپ کی دیکھ بھال کرتی اور آپ کی طرف کھانا لے جاتی۔ لوگوں نے کہا: یہ عورت اس کے پاس جاتی ہے پھر ہمارے پاس آتی ہے کہیں ایسا نہ ہو اس کے سبب اس کی تکلیف ہماری طرف لوٹ آئے۔ لوگوں نے بیوی کو حضرت ایوب علیہ السلام سے روکنے کا ارادہ کیا تو آپ نے کہا: مَسَّنِيَ الضُّرُّ۔(۱۳) عبداللہ بن عبید بن عمیر نے کہا: حضرت ایوب کے دو بھائی تھے وہ آپ کے پاس آئے اور دور کھڑے ہو گئے آپ کی بدبو کی وجہ سے وہ آپ کے قریب نہیں آ سکتے تھے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ایوب میں کوئی خیر دیکھتا تو اس تکلیف میں مبتلا نہ کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے زیادہ تکلیف دہ کلمہ نہ سنا اس وقت آپ نے عرض کی: مَسَّنِيَ الضُّرُّ پھر آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی سیر ہو کر رات نہیں گذاری میں بھوکے کے مکان کو جانتا ہوں پس تو میری تصدیق فرما۔ آسمان سے

ایک ندا دینے والے نے ندا دی میرے بندے نے سچ کہا۔ وہ دونوں بھائی سجدہ میں گر گئے۔ (۱۴) مَسَّنِیَ الضُّرُّ کا معنی ہے دشمن خوش ہو رہے ہیں، اسی وجہ سے آپ سے پوچھا گیا: تمہاری تکلیف میں کونسی چیز آپ پر شدید تھی؟ فرمایا: دشمنوں کا خوش ہونا۔ ابن عربی نے کہا: یہ ممکن ہے کیونکہ کلیم سے ان کے بھائی نے اس وجہ سے عافیت کا سوال کیا تو آپ نے کہا: اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ﳲ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ (الاعراف: 150) (۱۵) آپ کی بیوی کی مینڈھیاں تھیں جب وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتی تھی تو اس نے اپنی مینڈھیاں کاٹیں اور انہیں خوراک کے بدلے بیچ ڈالا اور خوراک حضرت ایوب کے پاس لے آئی۔ حضرت ایوب تصرف اور حرکت کرنے کے لیے اپنی بیوی کی مینڈھیوں سے سہارا لیتے تھے۔ جب انہیں نہ پایا اور حرکت کرنے کا ارادہ کیا تو حرکت نہ کر سکے اس وقت عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ بعض علماء نے کہا: جب آپ کی بیوی نے اپنی مینڈھیوں کے بدلے خوراک خریدی تو ابلیس لعنۃ اللہ علیہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہا تیری بیوی نے بدکاری کی ہے اور وہ پکڑی گئی ہے اور اس کے بال مونڈ دیئے گئے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی کہ وہ اسے کوڑے ماریں گے تو عورت کے دل پر محبت، حضرت ایوب کے دل پر محبت سے زیادہ سخت تھی۔

میں کہتا ہوں: (۱۶) سولہواں قول وہ ہے جو ابن المبارک نے ذکر کیا ہے، ہمیں یونس بن یزید نے بتایا انہوں نے عقیل سے اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی آزمائش کا ذکر کیا اس میں ہے کہ "آپ کا ایک بھائی آپ کے ساتھ لازم رہا اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے تیرے معاملہ نے تعجب میں ڈالا میں اس کا ذکر تیرے بھائی اور تیری ساتھی سے کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اہل اور مال کے تلف کرنے اور جسم میں بیماری پیدا کرنے کے ساتھ اٹھارہ سال سے آزمایا ہے حتی کہ تو اس کیفیت میں پہنچ گیا جو تو دیکھ رہا ہے کیا وہ تجھ پر رحم نہیں کرتا کہ وہ تجھ سے تکلیف دور کر دے۔ تو نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جو میرے خیال کے مطابق کسی نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا جو وہ کہتے ہیں مگر میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرتا ہوں وہ گمان کرتے ہیں اور ہر ایک اللہ کی قسم اٹھاتا ہے یا ایک جماعت سے گزرتا ہوں جو گمان کرتے ہیں پھر میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا ہوں پھر میں ان کی قسموں کا کفارہ دیتا ہوں اس ارادہ سے کہ کوئی گنہگار نہ ہو جو اس نے ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اسے ذکر نہ کرے مگر حق کے ساتھ پس حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ آپ کی دعا بڑی طویل تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا پیش کی اس تکلیف کی وجہ سے جو آپ کو پہنچی ہوئی تھی آپ اس تکلیف پر صبر کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھی۔ (۱۷) سترواں قول یہ ہے جو میں نے سنا ہے اور میں اس پر واقف نہیں ہوں: ایک کیڑا آپ کے جسم سے گرا تو آپ نے اسے تلاش کیا تا کہ اسے اپنی جگہ لوٹا دیں تو وہ آپ کو نہ ملا آپ نے عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ جب آپ کو اس کیڑے کی تکلیف کا اجر نہ ملا آپ چاہتے تھے کہ عافیت کے وقت پورا اجر ملتا رہے۔ یہ عمدہ قول ہے مگر سند کا محتاج ہے۔ علماء نے فرمایا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ یہ بطور گھبراہٹ نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں

فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا (ص: 44) ہم نے ایوب کو صبر کرنے والا پایا بلکہ یہ آپ کی طرف سے یہ دعا تھی۔ الجزع وہ شکوئی ہے جو مخلوق کی طرف ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض شکوئی نہیں ہوتا۔ دعا، رضا کے منافی نہیں ہے۔ ثعلبی نے کہا: میں نے اپنے استاذ ابوالقاسم بن حبیب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں سلطان کے دربار میں فقہاء اور ادباء کی مجلس میں حاضر تھا مجھ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا اس پر اجماع کے بعد کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا قول شکایت تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا (ص: 44) ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ میں نے کہا: یہ شکایت نہیں تھی یہ دعا تھی۔ اس کا بیان فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہے دعا کے بعد قبولیت ہوتی ہے نہ کہ شکایت کے بعد قبولیت ہوتی ہے۔ علماء نے اس جواب کو اچھا سمجھا اور اس سے خوش ہوئے۔ جنید سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: سوال کے فاقہ کا اظہار کیا تھا تا کہ اس پر نوال کے کرم کے ساتھ احسان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا ہم نے تجھے جنت میں تیرے اہل عطا کیے اگر تو چاہے تو ہم تیرے لیے انہیں جنت میں رہنے دیں اور اگر تو چاہے تو ہم انہیں دنیا میں تجھے عطا کر دیں۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ایوب کے لیے جنت میں چھوڑ دیا اور دنیا میں ان کی مثل انہیں عطا فرمائے۔ نحاس نے کہا: ان دونوں سے اس کی سند صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام کے اہل، بیوی کے سوا سب فوت ہو گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھ جھپکنے سے کم وقت میں انہیں زندہ کر دیا اور ان کی مثل ان کے ساتھ عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کے بیٹے فوت ہو گئے تھے پس آپ کی خاطر انہیں زندہ کیا گیا اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور پیدا ہوئے؛ یہ قتادہ، کعب احبار اور کلبی وغیرہم کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کی اولاد فوت ہو گئی اور وہ سات مرد تھے اور سات عورتیں تھیں۔ جب آپ کو صحت دی گئی تو وہ آپ کے لیے اٹھائے گئے اور آپ کی بیوی نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں جنم دیں۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ بطور آزمائش اپنی مدت عمر سے پہلے فوت ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ الخ، (البقرہ: 243) کے واقعہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور وہ ستر افراد جن کو کڑک نے آلیا تھا اور وہ مر گئے تھے پھر وہ زندہ کیے گئے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اپنی مدت عمر سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ یہاں بھی اسی طرح ہوا۔ مجاہد اور عکرمہ کے قول پر معنی یہ ہو گا ہم نے اسے اجرت میں اس کے اہل عطا فرمائے اور دنیا میں ان کی مثل ان کے ساتھ۔ اور خبر میں ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو آپ کی طرف بھیجا جب آپ نے زمین پر پاؤں مارا تھا اور گرم پانی کا چشمہ ظاہر ہوا تھا حضرت جبریل نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اسے جھاڑا تو آپ کے کیڑے سارے گر گئے۔ اور آپ پانی میں داخل ہوئے تو گوشت پیدا ہو گیا اور آپ اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے اہل اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور عطا فرما دیئے۔ اور ایک

بادل آپ کے گھر کی بنیادوں کی مقدار ظاہر ہوا اور وہ تین دن اور تین راتیں سونے کی ٹکڑیاں برساتا رہا۔ حضرت جبریل نے آپ کو کہا: کیا آپ سیر ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے فضل سے کون سیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے ازمائش سے پہلے اور آزمائش کے بعد تیری صبر کے ساتھ تعریف کی ہے اگر میں نے خود تیرے ہر بال کے نیچے صبر نہ رکھا ہوتا تو تو صبر نہ کرتا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا یہ سب کچھ ہم نے اپنی رحمت کی بنا پر کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے اسے آزمایا تاکہ کل اس کا ثواب زیادہ ہو۔ وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت ہے کیونکہ جب وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اس پر ان کا صبر اور محنت کو یاد کریں گے جبکہ وہ اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے افضل تھے تو وہ بھی دنیا کی تکالیف پر اپنے نفسوں کو صبر کا عادی بنائیں گے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس یہ ان کے لیے ہمیشہ عبادت کرنے اور تکلیف برداشت کرنے پر تنبیہ ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کتنی مدت آزمائش میں رہے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمائش کی مدت سات سال اور سات مہینے اور سات دن اور سات راتیں تھیں۔ وہب نے کہا: تیس سال تھی۔ حسن نے کہا: سات سال اور چھ مہینے تھی۔

میں کہتا ہوں: ان میں سے اصح اٹھارہ سال ہے۔ ابن شہاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے اور ابن المبارک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ ادریس، اخنوح تھے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَ ذَا الْكِفْلِ یعنی اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ ترمذی الحکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابن عمر کی حدیث نقل کی ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو ذوالکفل کہا جاتا تھا وہ کسی گناہ سے بچتا نہیں تھا اس نے ایک عورت کا پیچھا کیا اس سے بدکاری کرنے کے لیے اسے سات دینار دیے جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو وہ کانپنے لگی اور رونے لگی ذوالکفل نے کہا: تو کیوں رو رہی ہے؟ اس نے کہا: اس عمل کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی ایسا گناہ نہیں کیا۔ ذوالکفل نے کہا: کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: نہیں لیکن مجھے حاجت نے مجبور کیا ہے۔ ذوالکفل نے کہا: تو چلی جا وہ رقم بھی تیری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر وہ رات کو فوت ہو گیا لوگوں نے اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا پایا: ان اللہ قد غفر لذی الکفل اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کی بخشش کر دی ہے۔ اس کو ابو عیسیٰ ترمذی نے بھی تخریج کیا ہے۔ اس کے لفظ حضرت ابن عمر سے مروی ہیں فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا: "اگر میں نے اس کو نہ سنا مگر ایک یا دو مرتبہ حتیٰ کہ سات مرتبہ کو شمار کیا۔ تو میں اسے بیان نہ کرتا لیکن میں نے

اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے۔ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”ذوالکفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے نہیں بچتا تھا جس کو وہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک عورت اس کے پیچھے آئی اس نے اسے ساٹھ دینار دیے اس شرط پر کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے گا جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو وہ کانپنے لگی اور رونے لگی۔ ذوالکفل نے پوچھا: تو کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن، یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ہے اور مجھے اس پر حاجت نے ابھارا ہے۔ ذوالکفل نے کہا: تو ایسا کرتی ہے اور میں نے ایسا نہیں کیا تو چلی جا اور پیسے بھی تیرے ہیں۔ ذوالکفل نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا وہ اسی رات فوت ہو گیا۔ صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کو بخش دیا ہے“۔ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے (1)۔ بعض نے کہا: الیسع جب وہ بوڑھا ہو گیا تو کہا: اگر میں لوگوں پر کسی کو خلیفہ بناؤں حتی کہ میں دیکھوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے آپ نے فرمایا: تین دن کی کون مجھے ضمانت دے گا دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے اور فیصلہ کرتے وقت غصہ میں نہ آئے۔ عیص کی اولاد میں سے ایک شخص نے کہا: میں۔ آپ نے اسے رد کر دیا۔ پھر دوسرے دن بھی اسی طرح فرمایا تو اسی شخص نے کہا: میں۔ آپ نے اسے خلیفہ بنایا۔ پس اس نے وعدہ وفا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی اور اس کا نام ذوالکفل رکھا کیونکہ اس نے ایک امر کی ضمانت دی تھی، یہ حضرت ابوموسیٰ، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ عمر بن عبدالرحمن بن حرث نے کہا: حضرت ابوموسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ”ذوالکفل نبی نہیں تھا لیکن وہ عبد صالح تھا اپنی موت کے وقت ایک نیک شخص کے عمل کی ضمانت لی تھی۔ وہ ہر روز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سو رکعت نماز پڑھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی تعریف فرمائی“ (2)۔ کعب نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک کافر بادشاہ تھا اس کے شہر سے ایک نیک شخص گزرا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں اس شہر سے نکلوں گا تو اس بادشاہ پر اسلام پیش کروں گا۔ اس نے اس بادشاہ پر اسلام پیش کیا اس بادشاہ نے پوچھا: میری کیا جزا ہوگی؟ اس نے کہا: جنت۔ اور اس کے لیے جنت کی صفت بیان کی۔ بادشاہ نے کہا: مجھے اس کی کون ضمانت دے گا؟ اس شخص نے کہا: میں۔ پس وہ بادشاہ اسلام لایا اور اپنی مملکت سے علیحدہ ہو گیا اور اپنے رب کی طاعت کی طرف متوجہ ہوا حتی کہ وہ فوت ہو گیا۔ وہ دفن کیا گیا صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ہاتھ قبر سے باہر دیکھا اس کے ہاتھ میں سبز رقعہ تھا جس میں سفید نور کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا: ان اللہ قد غفرلی وادخلنی الجنۃ ووفی عن کفالۃ فلان- اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھے جنت میں داخل کیا ہے اور فلاں کی کفالت کو پورا کیا ہے۔ لوگ اس شخص کی طرف دوڑ کر گئے تا کہ وہ ان پر ایمان کا عہد لے اور ان کے لیے کفیل بن جائے، جس طرح بادشاہ کے لیے کفیل بنا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا وہ تمام لوگ ایمان لے آئے اور اس کا نام ذوالکفل رکھا گیا۔ بعض نے کہا: وہ پاکدامن شخص تھا ہر انسان کا کفیل بن جاتا تھا جو کسی مصیبت یا تہمت یا مطالبہ میں گرفتار ہوتا تھا پس اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں گرفتار شخص کو نجات دیتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: ذوالکفل نام اس لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل وسعی کی کفالت دی تھی باوجود اس کے کہ اس کے زمانہ کے دوسرے انبیاء کی بنسبت اس کا عمل کمزور تھا۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ نبی نہیں تھا۔ حسن نے کہا:

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث 2420

2۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 2، صفحہ 27

حضرت الیاس سے پہلے وہ نبی تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام تھے انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی تھی۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم، طاعت کے قیام اور گناہوں سے اجتناب پر صبر کرنے والے تھے۔ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ہم نے انہیں جنت میں داخل کیا۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

''اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تہہ در تہہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو بیشک میں ہی قصور واروں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ ذَا النُّوْنِ اس سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے یعنی ذوالنون کو یاد کرو۔ یہ یونس بن متی کا لقب ہے کیونکہ مچھلی نے آپ کو نگل لیا تھا۔ النون سے مراد مچھلی ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث میں ہے کہ انہوں ایک ملیح بچہ دیکھا تو فرمایا: اس کی ٹھوڑی پر سیاہ نشان لگا دو تا کہ اسے نظر نہ لگے۔ ثعلب نے ابن اعرابی سے روایت کیا ہے۔ کہ النونقۃ گڑھا ہوتا ہے جو چھوٹے بچے کی ٹھوڑی میں ہوتا ہے۔ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا حسن، شعبی اور سعید بن جبیر نے کہا: اپنے رب کے لیے ناراض ہو کر گیا۔ اس مفہوم کو طبری اور قتبی نے اختیار کیا ہے۔ مہدوی نے اس کو مستحسن سمجھا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود بڑالتھ سے مروی ہے نحاس نے کہا: جو لوگ لغت کو نہیں جانتے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے حالانکہ یہ صحیح قول ہے۔ معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی خاطر ناراض ہوا جیسے تو کہتا ہے: غضبت لك یعنی تمہاری وجہ سے ناراض ہوا۔ مومن اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اکثر اہل لغت کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اسی وجہ سے فرمایا تھا: اشترطی لھم الولاء (ان کے لیے ولاء کی شرط منظور کرلو) قتبی نے اس قول کی تائید میں مبالغہ کیا ہے۔ حدیث میں حضرت یونس کے وصف میں ہے'' آپ کا سینہ تنگ تھا جب آپ نے نبوت کا بوجھ اٹھایا تو اس کے نیچے آپ کا سینہ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جس طرح موسم ربیع میں پیدا ہونے والا اونٹ کا بچہ بھاری بوجھ کے نیچے ٹوٹ جاتا ہے''۔ پس حضرت یونس علیہ السلام بھاگے ہوئے غلام کی طرح چل پڑے (1)۔ یہ آپ کا غصہ کرنا صغیرہ تھا آپ اللہ تعالیٰ پر ناراض نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوئے تھے جب ان کی قوم سے عذاب اٹھایا گیا تھا۔ حضرت ابن مسعود بڑالتھ نے فرمایا: وہ اپنے رب سے بھاگا یعنی اپنے رب کے حکم سے بھاگا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب اٹھانے کے بعد ان کی طرف لوٹ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

آنے کا حکم دیا، کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ایک معلوم وقت میں عذاب کے نزول کی دھمکی دے چکے تھے پس اس وقت آپ ان سے نکل گئے۔ ان کی قوم پر عذاب آیا تو وہ گڑگڑانے لگے۔ پس ان سے عذاب اٹھالیا گیا اور حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی توبہ کا علم نہ تھا، اسی وجہ سے وہ غضبناک ہو کر نکلے تھے۔ اس کے حق میں تھا کہ وہ نہ جاتے مگر اجازت کے ساتھ۔ حسن نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کی طرف جانے کا حکم دیا تو آپ نے مہلت کا سوال کیا تا کہ تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جلدی کرنے کو کہا حتی کہ انہوں نے جوتا لینے کو کہا تا کہ اسے پہن لیں لیکن مہلت نہ دی گئی۔ آپ کو کہا گیا: حکم اس سے جلدی کا ہے۔ آپ کے خلق میں تنگی تھی آپ اپنے رب پر ناراض ہو کر نکلے۔ یہ ایک قول ہے لیکن نحاس کا قول عمدہ ہے یعنی اپنے رب کی خاطر غضبناک ہو کر نکلے یعنی اپنی قوم پر ناراض ہوئے کیونکہ ان کی قوم نے کفر کیا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے جب ان پر ان کا امر طویل ہو گیا اور ان کی سرکشی طویل ہو گئی تو آپ اپنے نفس پر ناراض ہو کر نکلے ان کی اذیت پر صبر نہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا اور دعا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کا ذنب یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نکلے تھے۔ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے مروی ہے حضرت یونس علیہ السلام جوان تھے اور انہوں نے نبوت کا بوجھ نہیں اٹھایا تھا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (القلم: 48) (تم مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ) ضحاک سے مروی ہے (1) کہ وہ اپنی قوم پر غضبناک تھے انہوں نے کفر کیا تو ان پر ناراض ہونا واجب تھا ہر ایک پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس پر ناراض ہو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ ایک جماعت نے کہا جن میں اخفش بھی ہے: وہ اس بادشاہ پر ناراض ہو کر نکلے تھے جو ان کی قوم پر مقرر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شعیا نبی اور وہ بادشاہ جو اس وقت موجود تھا جس کا نام حزقیا تھا انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نینویٰ کے بادشاہ کی طرف بھیجیں اس نے بنی اسرائیل سے جنگ کی تھی اور ان میں سے اکثر کو قیدی بنالیا تھا تا کہ نینویٰ کے بادشاہ سے حضرت یونس علیہ السلام بات کریں تا کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ اس وقت انبیاء کی طرف وحی کی جاتی تھی اور سیاسی امور بادشاہ کے پاس ہوتے تھے جس کو وہ انبیاء منتخب کرتے تھے پس وہ بادشاہ اپنے نبی کی وحی کے مطابق عمل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شعیا نبی کو وحی فرمائی کہ حزقیا بادشاہ کو کہو کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوت والا امین خبر دینے والا چنے اور اسے اہل نینویٰ کی طرف بھیجیں اور وہ انہیں حکم دے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں۔ میں ان کے بادشاہوں اور جابروں کے دل میں ان کو علیحدہ کرنے کا حکم ڈال دوں گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے شعیا کو کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے نکالنے کا حکم دیا ہے؟ شعیا نے کہا: نہیں۔ پوچھا: کیا اس نے تجھ سے میرا نام لیا ہے؟ شعیا نے کہا: نہیں۔ فرمایا: وہ انبیاء امین اور قوت والے تھے۔ پس انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام پر نکلنے کے لیے اصرار کیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس نبی اور بادشاہ پر اور اپنی قوم پر ناراض ہو کر نکلے۔ آپ بحر روم پر آئے پھر آپ کو مچھلی کے منہ میں چلے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی آزمائش میں ڈالا گیا کیونکہ آپ نے شعیا نبی کے حکم کو ترک کیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 96

مُلِيْمٌ ۝ (الصافات) ملیم اسے کہتے ہیں جو ایسا فعل کرے جس پر ملامت کی جاتی ہو۔ آپ نے جو فعل کیا وہ یا صغیرہ تھا یا ترک اولیٰ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ جب نکلے تھے تو آپ اس وقت نبی نہ تھے لیکن آپ کو بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے نینویٰ کی طرف جانے کو کہا تاکہ آپ انہیں شعیا کی طرف بلائیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی امر سے جانے کو ناپسند کیا پس آپ بادشاہ پر ناراض ہو کر نکلے۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں نجات پائی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا آپ نے انہیں بلایا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ قشیری نے کہا: اظہر یہ ہے کہ یہ غضب کرنا اللہ تعالیٰ کے ارسال کے بعد تھا اور قوم پر عذاب کے اٹھائے جانے کے بعد آپ نے ان سے عذاب کے اٹھائے جانے کو پسند نہ کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے بہتر ہے جو اس کے متعلق کہا گیا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ الصافات میں اس کا بیان آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ کی قوم کے اخلاق میں سے تھا کہ جس کے متعلق انہیں جھوٹ بولنے کا پتہ چل جاتا اسے قتل کر دیتے تھے۔ پس آپ کو قتل ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو آپ ناراض ہوئے۔ آپ نکل پڑے حتیٰ کہ آپ ایک کشتی میں سوار ہوئے وہ کشتی ٹھہر گئی اور چلتی نہیں تھی کشتی والوں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی بھاگنے والا ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: وہ میں ہوں، پھر واقعہ ہوا جو ہوا۔ آپ کو گناہ صغیرہ سے پاک کرنے کے لیے مچھلی کے پیٹ میں مبتلا کیا گیا جیسا کہ اہل احد کے بارے میں فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ۔۔۔ ولیمحص اللہ الذین آمنوا۔ انبیاء کے گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان پر تمحیص جاری ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں دوبارہ ایسا کرنے سے زجر ہوتی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آپ اپنے رب پر اور اپنی قوم پر ناراض نہیں ہوئے تھے۔ یہ عربوں کے قول غضب سے مشتق ہے جب کوئی ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ فاعل بھی ایک فاعل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے قوم کو عذاب کا وعدہ دیا اور آپ ان سے نکل گئے تو انہوں نے توبہ کر لی اور ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ جب آپ واپس آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ تو ہلاک نہیں ہوئے آپ نے اس کو ناپسند کیا اور آپ بھاگ نکلے۔ یہ شعر اس مفہوم میں بطور دلیل پڑھا جاتا ہے۔

وأغضب أن تُهجى تميم بدارم

یہاں أغضب بمعنی آنف ناپسند کرتا ہے۔ اس قول میں نظر ہے کیونکہ اس قول والے کو کہا جاتا ہے کہ یہ مغاضبت اگرچہ انفت کی وجہ سے تھی۔ الانفۃ (نفرت، ناپسندیدگی) کو غضب بھی لاحق ہوتا ہے وہ غضب تو ہے اگرچہ جس پر ہو قلیل بھی ہو آپ تو کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب پر اور اپنی قوم پر ناراض نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ابلیس نے آپ کو پھسلایا اور آپ کے گمان میں اس کا امکان واقع ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ قول مردود اور قابل توجہ نہیں ہے کیونکہ یہ کفر ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے مہدوی نے ان سے حکایت کیا ہے اور ثعلبی نے حسن سے روایت کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: عطا، سعید بن جبیر اور کثیر علماء نے کہا: اس کا معنی ہے کہ اس نے گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر تنگی نہیں کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الرعد: 26) یعنی اللہ تعالیٰ جس کے

لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ فرماتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول سعید اور حسن کے قول کے مشابہ ہے۔ قَدَرَ، قُدِرَ، قَتَرَ اور قُتِّرَ ہم معنی ہیں یعنی تنگ کیا گیا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ القدر سے مشتق ہے جس کا معنی قضا اور فیصلہ ہے، یعنی آپ نے گمان کیا کہ ہم آپ پر عقوبت کا فیصلہ نہیں کریں گے؛ یہ قتادہ، مجاہد اور فراء کا قول ہے۔ یہ القدر سے ماخوذ ہے جس کا معنی فیصلہ ہے نہ کہ قدرت و استطاعت سے ماخوذ ہے۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب سے مروی ہے انہوں نے فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ کے متعلق فرمایا: یہ تقدیر سے ہے نہ کہ القدرۃ سے۔ کہا جاتا ہے: قدر اللہ لك الخیر یقدرہ قدرا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے خیر کو مقدر کیا۔ ثعلب نے بطور استشہاد یہ اشعار پڑھے:

فلیست عشیات اللِّوَیٰ برواجع لنا أبدًا ما أورق السَّلَم النَّضُرُ

ولا عائد ذالك الزمان الذی مضی تبارك ما تقدِر یقعْ ولك الشكرُ

ما تقدر بمعنی ما تقدرہ وتقضی ہے ان دو تاویلوں پر علماء کا نظریہ ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اور زہری نے فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نُّقَدِّرَ عَلَیۡہِ نون کے ضمہ اور دال کی شد کے ساتھ تقدیر سے پڑھا ہے۔ یہ قرأت ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ عبید بن عمیر، قتادہ اور اعرج نے اَنۡ لَّنۡ یُّقَدَّرَ عَلَیۡہِ یاء کے ضمہ اور دال کی شد کے ساتھ فعل مجہول پڑھا ہے۔ یعقوب عبد اللہ بن ابی اسحاق، حسن، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یقدر علیہ یاء کے ضمہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ تخفیفاً مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ حسن سے بھی فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ، مروی ہے باقی قراء نے نقدر نون کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور تمام کے نزدیک بمعنی تقدیر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ایسی ہیں جن کو علماء نے اس شخص کے قول میں بھی استعمال کیا ہے جس نے کبھی کوئی خیر کا عمل نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا: جب وہ مرجائے تو اسے جلا دینا فواللہ لئن قدر اللہ علی (اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سزا کا فیصلہ کیا) پہلی تاویل کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھ پر تنگی فرمائی اور میرے محاسبہ میں مبالغہ کیا اور مجھے میرے گناہوں پر جزا دی تو ایسا ہوگا پھر اس نے افراط خوف کی وجہ سے گھر والوں کو جلانے کا حکم دیا۔ دوسری تاویل پر معنی یہ ہوگا اگر اللہ تعالیٰ تقدیر اور فیصلہ میں ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا دینے کا معاملہ طے کر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنے گناہوں اور جرموں کی ایسی سزا دے گا جو میرے سوا تمام جہانوں میں سے کسی کو بھی نہیں دے گا۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے موطا وغیرہ میں نقل کیا ہے۔ وہ شخص مومن، موحد تھا۔ بعض احادیث میں ہے "اس نے سوائے توحید کے کوئی خیر کا عمل نہیں کیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا: من خشیتك یا رب!، اے میرے رب! تیری خشیت کی وجہ سے ایسا کیا تھا اور خشیت مومن مصدق میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28) بعض علماء نے فرمایا: فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ کا معنی استفہام ہے اس کی تقدیر أفظنَّ ہے۔ الف استفہام اختصاراً حذف کیا گیا ہے۔ یہ سلیمان ابو المعتمر کا قول ہے۔ قاضی منذر بن سعید نے حکایت کیا ہے

کہ بعض نے اُقْطَعَ الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ علماء کا الظُّلُمٰتِ کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت نے کہا: جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ بھی ہیں کہ اس سے مراد رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کی تاریکی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کہا: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن موسیٰ نے بتایا انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے ابواسحاق سے انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیت المال میں بتایا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ انہیں زمین کی تہہ کی طرف لے گئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کنکریوں کی تسبیح سنی۔ تو آپ نے ان تاریکیوں میں پکارا۔ وہ تین تاریکیاں تھیں مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی: اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۔ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ (الصافات:145)

جیسے اس چوزے کی ہیئت ہوتی ہے جس پر بال نہ ہوں۔ ایک جماعت نے کہا جن میں سالم بن ابی الجعد بھی ہیں کہ تاریکیوں سے مراد سمندر کی تاریکی۔ اس مچھلی کی تاریکی جس نے پہلی مچھلی کو نگلا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ پہلی مچھلی کے پیٹ کی تاریکی کو الظلمات سے تعبیر کیا گیا ہو جیسا کہ فرمایا: فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ (یوسف:10) چونکہ ہر جہت میں تاریکی تھی تو اس کا جمع ذکر کرنا جائز ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا ہے: یہ بھی احتمال ہے کہ خطا کی ظلمت، شدت کی ظلمت اور تنہائی کی ظلمت کو الظُّلُمٰتِ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی فرمائی یونس کے ایک بال کو بھی اذیت نہ دینا۔ میں نے تیرے پیٹ کو اس کی قید بنایا ہے میں نے اسے تیری خوراک نہیں بنایا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں سجدہ کیا جب سمندر کی گہرائی میں مچھلیوں کی تسبیح سنی۔ ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں عباس بن یزید عبدی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں اسحاق بن ادریس نے بتایا کہ انہوں نے کہا ہمیں جعفر بن سلیمان نے بتایا انہوں نے عوف سے انہوں نے سعید بن ابی حسن سے روایت کیا ہے فرمایا: جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تو انہوں نے گمان کیا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں پس انہوں نے اپنی ٹانگوں کو لمبا کیا جبکہ وہ فوت نہیں ہوئے تھے۔ آپ اپنی عادت کے مطابق نماز کے لیے کھڑے ہوئے آپ نے اپنی دعا میں کہا: میں نے تیرے لیے ایسی جگہ کو مسجد بنایا جس کو کسی نے مسجد نہیں بنایا۔ ابوالمعالی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی (1) اس کا معنی ہے میں جب سدرۃ المنتہیٰ میں تھا میں اللہ تعالیٰ کے قریب ان سے زیادہ نہ تھا جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائی میں تھے۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ اور سورۂ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ آپ نے قوم کے ساتھ رہنے کو ترک کیا تھا اور ان پر صبر نہیں کیا تھا وہ ظلم مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: بغیر اجازت

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2167

کے نکلنا مراد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقوبت نہیں تھی کیونکہ انبیاء کرام کو عقاب نہیں کیا جاتا یہ تمحیص (پاک وصاف کرنا) تھی کبھی کبھی اسے ادب سکھایا جاتا ہے جو عقاب کا مستحق نہیں ہوتا جیسے بچے ہوتے ہیں؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے میں نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا کر کے قصور کیا حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تو ان کا مواخذہ نہ ہوا۔ واسطی نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے رب کی ظلم سے پاکیزگی بیان کی اور استحقاق واعتراف کی بناء پر ظلم کی نسبت اپنی طرف کی، اسی کی مثل حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا قول ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (الاعراف: 23) جب انہوں نے اپنے آپ کو اپنے منصب پر نہ رکھا تو وہ زمین میں اتارے گئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ جس مسلمان نے اس دعا کے ساتھ کسی مسئلہ میں دعا مانگی تو وہ قبول کی گئی''(1)۔ بعض علماء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اس کو حضرت سعد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ خبر میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شرط ہے اس شخص کے لیے جو اس سے دعا مانگے تو وہ اس کی دعا قبول فرمائے گا جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی تھی اور اسے نجات دے گا جس طرح انہیں نجات دی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ آپ نے ظلم کا اعتراف کیا پس یہ اشارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی جو عمل ان سے ہوا اس کی وجہ سے جس پریشانی میں ہوتے ہیں اس سے انہیں ہم خلاصی دیتے ہیں وہ یہ ارشاد ہے: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصافات) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے حضرت یونس علیہ السلام کی حفاظت ہے۔ اس کے حق تعبد کی رعایت کی اور جو انہوں نے طاعت میں سے پہلے کیا تھا اس کے حق کی حفاظت فرمائی۔ استاذ ابواسحاق نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام تھوڑے دن مچھلی کے ساتھ رہے تو قیامت تک انہیں ذوالنون کہا جائے گا تو تیرا اس بندے کے متعلق کیا گمان ہے جس نے ستر سال عبادت کی، اس کے نزدیک یہ رائیگاں جائے گی یہ تو گمان ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مِنَ الْغَمِّ یعنی مچھلی کے پیٹ سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اکثر کی قرأت دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ أنجی ینجی سے مشتق ہے۔ ابن عامر نے نجی ایک نون اور جیم مشدد اور یاء کے سکون کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور مصدر کا اضمار کیا ہے یعنی کذلک نجی النجاء المومنین۔ جیسے تو کہتا ہے: ضرب زید بمعنی ضرب الضرب زید اور بطور استشہاد یہ شعر پڑھا ہے:

ولو ولدت قُفَيْرَةُ جرو كلب لسُبّ بذلك الجروِ الكلابا

تو شاعر نے لسب السب بذالك الجرو کا ارادہ کیا ہے یا کوان کی لغت کے مطابق ساکن کیا گیا ہے جو یا کو حرکت دیئے بغیر کہتے ہیں بقی ورضی۔

حسن نے: وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا (البقرہ: 278) پڑھا کیونکہ یہ قبل مکسور کو حرکت دینے سے ثقل پیدا ہوتا ہے اور

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، حدیث 3427

یہ اشعار پڑھے ہیں:

خَمَر الشَّيبُ لِمَّتِي تَخْمِيرا وَحَدَا بِي إلى القُبُورِ البعيرا

لَيتَ شِعْرِي إذا القيامةُ قامتْ وَدُعِي بالحسابِ أينَ المصيرَا

یاء کو دعی میں ساکن کیا گیا کیونکہ اس کو حرکت دینے اور اس کے ماقبل کسرہ سے ثقل پیدا ہوتا ہے۔ حدا کا فاعل مشیب ہے یعنی وحد المشیب البعیر لیت شعری المصیر أین هو؛ یہ تاویل فراء، ابوعبید اور ثعلب نے کی ہے۔ اس قرأت کو درست کرنے کے لیے ابوحاتم اور زجاج نے غلطی کی ہے کہ انہوں نے کہا: یہ غلطی ہے کیونکہ نائب الفاعل کو نصب دی گئی ہے۔ ہا جاتا ہے: نُجّی المؤمنون جیسے کہا جاتا ہے: کُرِم الصالحون اور ضُرِبَ زیدٌ بمعنی ضُرِبَ الضربُ زیدٌ کہنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ضُرِبَ الضرب پر دلالت کرتا ہے اور اس قسم کے اشعار سے کتاب اللہ پر حجت قائم کرنا جائز نہیں۔ ابوعبید کا ایک اور قول بھی ہے۔ قتبی نے کہا ہے: وہ یہ ہے کہ نون کو جیم میں مدغم کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول نحویوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ نون کا مخرج جیم کے مخرج سے دور ہے اس لیے ادغام نہیں ہوگا۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ (الانعام: 160) میں مجاء بالحسنة جائز نہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے جو بات علی بن سلیمان سے کی ہے اس سے بہتر کوئی بات نہیں سنی۔ انہوں نے کہا: اصل میں ننجی تھا ایک نون کو حذف کیا گیا کیونکہ دونوں جمع ہوئے ہیں جیسا کہ ایک تا کو حذف کیا جاتا ہے جب دونوں جمع ہو جاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَاتَفَرَّقُوْٓا (الشوریٰ: 14) اصل میں لا تتفرقوا تھا محمد بن السمیقع اور ابوالعالیہ نے وَ كَذٰلِكَ نُجِي الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھا ہے یعنی نجی اللہ المومنین۔ یہ مدہ ہے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

"اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو، بیشک وہ بہت تیز رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ یعنی زکریا کو یاد کرو۔ ان کا ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا یعنی اکیلا اور بغیر بیٹے کے نہ چھوڑ۔ وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ یعنی تو ہر مرنے والے کے بعد جو باقی رہنے والے ہیں ان سے بہتر ہے۔ فرمایا: وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ کیونکہ پہلے یہ شئی گزر چکا ہے، یعنی میں جانتا ہوں تو اپنے دین کو ضائع نہیں کرے گا، لیکن یہ امر دین کی حفاظت کی فضیلت میری نسل سے منقطع نہ کر، جیسا کہ پہلے سورہ مریم میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ یعنی ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى ان کا ذکر تفصیلاً گزر چکا ہے۔ وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ قتادہ، سعید بن جبیر اور اکثر مفسرین نے کہا: ان کی بیوی بانجھ تھی تو اسے بچے جنم دینے والی بنا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا نے کہا: وہ تند خو تھی اور زبان دراز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرمائی اور اسے اچھے اخلاق والا بنا دیا۔

میں کہتا ہوں: دونوں مفہوم جمع بھی ہو سکتے ہیں اسے حسن اخلاق بھی دے دیا ہو اور بچے جننے والی بھی بنا دیا ہو۔ انهم، ھم ضمیر سے مراد وہ انبیاء کرام ہیں جن کا اس سورت میں نام لیا گیا ہے۔ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ بعض علماء نے فرمایا: ضمیر کا مرجع حضرت زکریا، ان کی زوجہ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وہ ہماری بارگاہ میں پناہ لیتے ہیں اور سختی اور خوشحالی میں ہمیں پکارتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ عبادت کے وقت ہمیں پکارتے ہیں جبکہ وہ امید اور خوف کی حالت میں ہوتے ہیں کیونکہ رغبت اور رہبت ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ بعض نے فرمایا: الرغب کا مطلب ہے آسمان کی طرف ہتھیلیوں کے باطن کو بلند کرنا اور الرھب کا مطلب ہے ان کی پیٹھوں کو آسمان کی طرف بلند کرنا؛ یہ خصیف کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس کی تلخیص یہ ہے کہ ہر دعا مانگنے والا انسان اپنے ہاتھوں سے مدد طلب کرتا ہے۔ پس رغبت اس حیثیت سے کہ وہ طلب ہے۔ تو ہتھیلی کے باطن کو مطلوب منہ کی طرف متوجہ کرنا بہتر ہے کیونکہ وہ عطا کرنے کی جگہ ہے یا اس کے ذریعے انسان مالک ہوتا ہے۔ اور الرھب اس حیثیت سے کہ تکلیف کو دور کرنا ہے تو اس کے ساتھ اس کو پھینکنا اچھا ہوتا ہے اور جانے کی طرف اشارہ کرنا ہے اور ہاتھ جھاڑ کر اسے بچانا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے تو انہیں نیچے نہیں کرتے تھے حتی کہ انہیں اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے (1)۔ ہاتھوں کو بلند کرنے کے متعلق اختلاف سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ یہ حدیث اور دوسری احادیث وہاں ہم نے ذکر کی ہیں ہاتھوں کو بلند کرنے کے قول پر پھر اس کی صفت اور کہاں تک اٹھانے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے سینے کے برابر اٹھاتے ہوئے پھیلائیں اور ان کا باطن اس کے چہرے کی طرف ہو۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلیوں کے باطن کے ساتھ دعا مانگتے تھے اور حضرت انس سے اس کی مثل مروی ہے۔ یہ جامع ترمذی کی حدیث کا ظاہر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن کے ساتھ اس سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پیٹھوں کے ساتھ سوال نہ کرو اور انہیں اپنے چہروں پر پھیرو"۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر سے چہرے تک بلند کرنا مروی ہے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی رفع الایدی عند الدعاء، حدیث 3308

میں ٹھہرے تو آپ نے دعا مانگنی شروع کی آپ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو اس سمت کیا جو چہرے کی طرف تھی اور انہیں اپنے سینہ سے بلند کیا اور کندھوں سے نیچے کیا (1)۔ بعض نے فرمایا: حتیٰ کہ چہرے کے برابر کیا اور ان کی پشتیں چہرہ کی سمت تھیں۔ ابو جعفر طبری نے کہا: یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام آثار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں متفق اور متحد ہیں اور یہ تمام صورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوں دعا کے احوال اختلاف کی وجہ سے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک انگلی کے ساتھ اشارہ کرے تو وہ اخلاص ہے اور جب اپنے ہاتھوں کو سینہ کے برابر کرے تو وہ دعا ہے۔ جب انہیں اتنا بلند کرے کہ سر سے اوپر لے جائے اور ان کا ظاہر چہرے کی طرف ہو تو یہ ابتہال (گڑگڑانا) ہے۔ طبری نے کہا: قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے دیکھا (2)۔

رَغَبًا وَّ رَهَبًا مصدر کی بنا پر منصوب ہیں یعنی یرغبون رغباً ویرھبون رھباً یا مفعول لاجلہ کی بنا پر منصوب ہیں یعنی للرغب والرھب یا حال کی بنا پر منصوب ہیں۔ طلحہ بن مصرف نے یدعونا ایک نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش نے راء کے ضمہ اور غین کے سکون اور ھا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جیسے: السقم اور البخل اور العدم اور الضر یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابن وثاب اور اعمش نے رغباً و رھباً را پر فتحہ اور غین اور ھا میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے نَهْر اور نَهَر، صَخْر اور صَخَر یہ قرأت ابو عمرو سے مروی ہے۔ **وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ** تواضع کرنے والے اور عاجزی کرنے والے۔

وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** یعنی مریم کو یاد کرو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو۔ حضرت مریم کا ذکر کیا حالانکہ وہ انبیاء میں سے نہیں تھی اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر مکمل ہو اسی وجہ سے فرمایا: **وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝** آیتیں نہیں فرمایا کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کے امر، واقعہ اور شان کو تمام جہانوں کے لیے نشانی بنایا۔ زجاج نے کہا: دونوں میں نشانی ایک تھی کیونکہ حضرت مریم نے انہیں بغیر باپ کے جنم دیا تھا۔ سیبویہ کے مذہب پر تقدیر یہ ہے: وجعلناھا آیۃ للعالمین وجعلنا ابنھا آیۃ للعالمین پھر حذف کیا گیا۔ اور فراء کے مذہب پر تقدیر یہ ہوگی: وجعلناھا آیۃ للعالمین وابنھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ** (التوبہ: 62) بعض علماء نے فرمایا: ان کی آیات میں سے یہ تھا کہ حضرت مریم پہلی عورت تھیں جو عبادت خانہ میں نذر کے طور پر قبول کی گئی تھیں۔ یہ بھی نشانی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اپنی جناب سے رزق دیا تھا اور بندوں میں سے کسی بندے کے ہاتھ پر ان کا رزق جاری نہیں فرمایا تھا۔ بعض نے فرمایا: حضرت مریم نے پستان نہیں چوسا تھا۔ احصنت برائی سے محفوظ رہیں۔ بعض نے فرمایا فرج سے مراد قمیص کی فرج ہے یعنی ان کے کپڑے کے ساتھ کبھی کوئی مشکوک چیز معلق نہ ہوئی آپ پاکیزہ لباس تھیں۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 11806، 11093　2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

قمیص کی فروج چار ہوتی ہیں۔ دو آستینیں۔ اعلیٰ اور اسفل۔ سہیلی نے کہا: تیرا خیال کسی دوسری چیز کی طرف نہ جائے کیونکہ یہ لطیف کنایہ ہے کیونکہ قرآن معنی کے اعتبار سے پاکیزہ ہے اور لفظ کے اعتبار سے موزوں ہے اس میں لطیف اشارہ اور خوبصورت عبارت ہے جیسے جائے کہ کسی جاہل کا وہم اس کی طرف جائے، خصوصاً روح قدس کا پھونکنا، قدوس کے حکم سے تھا۔ قدس کی نسبت قدوس کی طرف کی اور جھوٹے گمان سے مقدسہ ومطہرہ کو پاک فرمایا۔

فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا یعنی ہم نے جبریل کو حکم دیا اور انہوں نے مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری پھر اس پھونک سے ہم نے مریم کے بیٹے مسیح کو پیدا کیا۔ سورۂ مریم اور سورۃ النساء میں یہ گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آیۃ اس سے مراد علامت اور مخلوق کے لیے عجیب بات ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا علم اور جس میں ہم چاہتے ہیں اپنی قدرت کے نفوذ پر دلالت ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ۝

"(اے ان انبیاء کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً جب انبیاء کرام کا ذکر فرمایا تو فرمایا: یہ تمام توحید پر جمع تھے۔ یہاں امۃ سے مراد دین ہے اور وہ اسلام ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہما کا قول ہے۔ رہے مشرک تو انہوں نے تمام انبیاء کی مخالفت کی۔ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ یعنی صرف میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ فَاعۡبُدُوۡنِ صرف میری عبادت کرو۔ عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے ان ھذہ أمتکم واحدۃ پڑھا ہے۔ اور یہ حسن نے ابو عمرو سے روایت کیا ہے۔ باقی قراء نے امۃ واحدۃً پڑھا ہے۔ اس پر نصب قطع کی بنا پر ہے کہ کلام مکمل کرنے کے بعد نکرہ آیا ہے۔ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: امۃ پر نصب حال کی بنا پر ہے یعنی حق پر جمع ہونے کی حالت پر یعنی یہ امت ایک امت رہی اور تم توحید پر جمع رہے اور جب تم جدا جدا ہو گئے اور اختلاف کیا تو جو حق کی مخالفت کرنے والا تھا وہ دین حق کے اہل میں سے نہ رہا جیسے تو کہتا ہے: فلان صدیقی عفیفاً یعنی جب تک وہ پاک تھا میرا دوست تھا جب عفت میں مخالف ہوا تو میرا دوست نہ تھا۔ رہا رفع تو یہ امتکم سے بدل ہونے کی بنا پر یا مبتدا کے اضمار کی بنا پر ہوگا یعنی ان ھذہ أمتکم ھذہ أمۃ واحدۃ یا یہ دوسری خبر ہوگی اور اگر تو ھذہ سے بدل کی بنا پر امتکم کو نصب دے تو بھی جائز ہے اور امۃ واحدۃ ان کی خبر ہوگی۔

وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ ؕ كُلٌّ اِلَيۡنَا رٰجِعُوۡنَ ۝ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ ۝

"مگر لوگوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں (آخر کار) سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ پس جو شخص کرتا رہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا اس کی کوشش کو اور ہم اس کے

لیے (اس کے عملوں کو) لکھنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی دین میں تقسیم ہو گئے؛ یہ مفہوم کلبی نے بیان کیا ہے۔ اخفش نے کہا: دین میں انہوں نے اختلاف کیا مراد مشرک ہیں۔ انہوں نے چونکہ حق کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو خدا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔ ازہری نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ اپنے معاملہ میں پارہ پارہ ہو گئے۔ امرھم پر نصب فی کے حذف کے ساتھ ہے۔ اس مفہوم پر تقطع فعل لازم ہوگا اور پہلے مفہوم پر متعدی ہوگا۔ اور مراد تمام مخلوق ہے یعنی انہوں نے اپنے اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور اسے آپس میں تقسیم کر دیا کوئی موحد تھا کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی تھا۔ کچھ نے بادشاہ کی عبادت کی، بعض نے بتوں کی عبادت۔ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ یعنی سب نے ہمارے حکم کی طرف لوٹ کر آنا ہے پس ہم انہیں جزا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، من، بعضیہ ہے جنس کے لیے نہیں ہے کیونکہ کسی مکلف کو یہ طاقت نہیں کہ وہ تمام طاعات فرض، نفل کو ادا کرے۔ معنی یہ ہے جو بھی کوئی طاعت کرے گا خواہ وہ فرض ہو یا نفل جبکہ وہ موحد مسلم ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جبکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والا ہو۔ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ اس کے عمل کا انکار نہیں یعنی اس کی جزا کو ضائع نہیں کیا جائے گا اور اس کی جزا کو چھپایا نہیں جائے گا۔ کفر کی ضد ایمان ہے اور کفر کا معنی نعمت کی ناشکری کرنا بھی ہے یہ شکر کی ضد ہوگا۔ وقد کفرہ کفوراً و کفراناً۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں: فلا کفر لسعیہ ہے وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ اس کے عمل کو ہم لکھنے والے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آل عمران: 195) یعنی سب محفوظ ہوگا تاکہ اس کی جزا دی جائے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

''اور ناممکن ہے اس بستی کے لیے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اس کے باشندے لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے (تب معلوم ہوگا کہ) قریب آ گیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑنے لگ جائیں گی نظریں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حضرت زید بن ثابت اور اہل مدینہ کی قرأت وَحَرَامٌ ہے، یہ ابوعبید اور ابوحاتم کا اختیار ہے۔ اہل کوفہ کی قرأت وَحِرْمٌ ہے یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے حِلٌّ وحَلَالٌ اور حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے وَحَرِمَ حا اور میم کے فتحہ اور را کے کسرہ کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابوالعالیہ سے وحَرُمَ را کے ضمہ

اور حا اور میم کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَحَرَامٌ، وحَرَامٌ وحَرِمٌ بھی مروی ہے۔ عکرمہ سے بھی وحَرِمٌ مروی ہے۔ قتادہ اور مطر وراق سے وَحَرْمٌ مروی ہے یہ نو قراءتیں ہیں۔ سلمی نے علی قریۃ أھلکتھا پڑھا ہے۔ لَا یَرْجِعُوْنَ میں جو (لا) ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ صلہ (زائدہ) ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؛ یہی ابو عبید کا اختیار ہے یعنی اس بستی پر ہلاکت کے بعد لوٹنا ناممکن ہے جس کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ بعض نے فرمایا: یہ صلہ نہیں ہے یہ ثابتۃ ہے۔ اس صورت میں حرام بمعنی واجب ہوگا یعنی اس دیہات پر واجب ہے جیسے خنساء نے کہا تھا:

وَإِنَّ حَرَامًا لَا أَرَى الدَّهْرَ بَاكِيًا عَلَى شَجْوِهِ إِلَّا بَكَيْتُ عَلَى صَخْرٍ

وہ اپنے بھائی کے بارے میں یہ کہہ رہی ہے اس قول پر لا ثابتہ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ آیت مشکل ہے اور سب سے بہتر جو کہا گیا ہے وہ وہ ہے جو ابن عیینہ، ابن علیہ، ھشیم، ابن ادریس، محمد بن فضیل، سلیمان بن حیان اور معلی نے داود بن ابی ہند سے اور انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ فرمایا واجب ہے کہ وہ نہیں لوٹیں گے فرمایا: وہ توبہ نہیں کریں گے۔ ابو جعفر نے کہا: اس کا اشتقاق لغت میں بڑا واضح ہے اس کی شرح یہ ہے کہ حرام الشیٔ کا معنی ہے اس چیز سے منع کیا گیا ہے اور روکا گیا ہے جیسا کہ أحل کا معنی ہے مباح کیا گیا اور اس سے روکا نہیں گیا جب حراما اور حرام بمعنی واجب ہوگا تو اس کا معنی ہوگا اس سے نکلنا تنگ کیا گیا ہے اور منع کیا گیا ہے یہ ممنوع کے باب سے ہوگا۔ رہا ابو عبید کا قول کہ لا زائدہ ہے اس کو ایک جماعت نے رد کیا ہے کیونکہ ایسے مقامات پر لا زائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی صورت میں جہاں اشکال ہو اگر یہ زائدہ ہوتا تو یہ تاویل بعید بھی ہوتی کیونکہ اگر یہ مراد ہے وحرام علی قریۃ أھلکناھا أن یرجعوا إلی الدین تو یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اگر توبہ کا ارادہ کیا ہے تو توبہ تو حرام نہیں کی گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں اضمار ہے یعنی حرام علی قریۃ حکمنا باستئصالھا او بالختم علی قلوبھا أن یتقبل منھم عمل لأنھم لا یرجعون أی لا یتوبون یعنی اس بستی پر حرام ہے جس کے تباہ کرنے کا ہم نے فیصلہ کر لیا ہے یا ان کے دلوں پر مہر لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے ان سے کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ توبہ نہیں کریں گے۔ زجاج اور ابو علی کا قول ہے اور لا غیر زائدہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ اس میں قول گزر چکا ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی جب یاجوج و ماجوج کا بند کھل جائے گا جیسے: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) میں مضاف محذوف ہے۔ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ہر بلندی سے اتریں گے یعنی کثرت کی وجہ سے ہر طرف سے بھاگتے ہوئے اتریں گے۔ الحدب زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع الحداب ہے یہ حدبة الظهر (کبڑی پیٹھ) سے ماخوذ ہے۔

عنترہ نے کہا:

فما رعشت یدای ولا أزدهانی تواترھم إلیّ من الحداب

بعض نے فرمایا: ینسلون کا معنی ہے وہ نکلیں گے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

فَسُلِّي ثِيَابِي مِن ثِيَابِكِ تَنْسُلِ

بعض نے کہا: اس کا معنی ہے تیز چلتے ہیں؛ اسی سے نابغہ کا قول ہے:

عَسَلَانَ الذِّئبِ أَمسَى قَارِبًا بَرَدَ اللَّيلُ عليهِ فَنَسَلْ

کہا جاتا ہے: عَسَلَ الذئبُ يَعْسِلُ عَسَلاً وعَسَلاناً بھیڑیے کا تیز چلنا۔ حدیث میں ہے: كذب عليك العسل (1) یعنی تجھ پر تیز چلنا ہے۔ زجاج نے کہا: النَّسَلان کا معنی ہے بھیڑ کا تیز چلنا۔ کہا جاتا ہے: نسل فلان في العدو وينسِلُ (کسرہ اور ضمہ کے ساتھ) نَسْلاً ونُسولا ونَسَلاناً اس کا معنی ہے تیز چلنا۔ پھر کہا گیا ہے کہ جو ہر بلندی سے اتریں گے وہ یا جوج وماجوج ہیں یہی اظہر قول ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض نے کہا تمام لوگ مراد ہیں۔ وہ موقف کی زمین کی طرف چلیں گے اور ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی آرہے ہوں گے۔ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ، شواذ قراتوں میں پڑھا گیا ہے۔ یہ اس قول سے لیا گیا ہے۔ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ (یٰسین) اسی قرأت کو مہدوی نے ابن مسعود سے اور ثعلبی نے مجاہد اور ابو الصہباء سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ، الْوَعْدُ الْحَقُّ سے مراد قیامت ہے۔ فراء، کسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ واؤ زائدہ مقحمہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب یاجوج وماجوج کا بند کھل جائے گا قیامت قریب آجائے گی۔ اقْتَرَبَ، اذا کا جواب ہے۔ فراء نے یہ شعر اس پر کہا ہے:

فَلَمَّا أَجَزْنَا سَاحَةَ الحَيِّ وانْتَحَى

یعنی اس میں بھی واؤ زائدہ ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ وَنَادَیْنٰهُ (الصافات) نَادَيْنٰهُ سے پہلے واؤ زائدہ ہے۔ کسائی نے اذا کا جواب فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اس صورت میں اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اس فعل پر معطوف ہوگا جو شرط ہے۔ بصریوں نے کہا: جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: قالوا یا ویلنا؛ یہ زجاج کا قول ہے اور یہ عمدہ قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر: 3) اس کا معنی ہے قالوا ما نعبدهم قول کا حذف کثیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ، هي ضمیر ابصار کے لیے ہے اور ابصار بعد میں اس کی تفسیر کے طور پر مذکور ہے گویا یوں فرمایا: فإذا ابصار الذين كفروا شخصت عند مجيئ الوعد؛ شاعر نے کہا:

لَعمرُ أبيها لاتقول ظَعِينتِي أَلَا فَرَّعَنِّي مالكُ بن أبي كعب

شاعر نے پہلے ھا ضمیر ذکر کی ہے پھر ظعینتی کو ظاہر ذکر کیا۔ فراء نے کہا: هي عماد ہے جیسے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ (الحج: 46) ہے۔ بعض نے فرمایا: هي پر کلام مکمل ہوگی۔ تقدیر اس طرح ہے فاذا هي یعنی قیامت ظاہر واقعہ ہوگی یعنی ان کے قریب سے گویا وہ آنے والی ہے حاضر ہے پھر نئی کلام کا آغاز کیا۔ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ مبتدا پر خبر کو مقدم کیا گیا ہے یعنی کفار کی آنکھیں قیامت کے دن پھٹی پھٹی ہوں گی۔ قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے آنکھیں نہیں جھپکیں گی وہ کہیں گے:

1۔ غریب الحدیث خطابی، جلد 2، صفحہ 370

ہائے افسوس! ہم اپنی معصیت کی وجہ سے ظالم تھے ہم نے عبادت کو اپنے مقام پر نہ رکھا۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸

"(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے اور اس میں داخل ہونے والے ہو"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک ایسی آیت ہے کہ لوگ اس کے متعلق مجھ سے نہیں پوچھتے، معلوم نہیں وہ اس کا عرفان رکھتے ہیں اس لیے اس کے متعلق نہیں پوچھتے یا اس سے غافل ہیں اس لیے نہیں پوچھتے؟ پوچھا گیا: وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ۔۔۔ الخ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش پر بڑی شاق گزری کہنے لگے: اس نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے۔ لوگ ابن الزبعری کے پاس آئے اور اس کے متعلق بتایا تو وہ کہنے لگا: اگر میں وہاں ہوتا تو میں اس کو جواب دیتا۔ لوگوں نے کہا: تو اسے کیا کہتا؟ کہنے لگا: میں اسے کہتا حضرت مسیح علیہ السلام کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے؟ قریش اس کی بات سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نزاع کیا گیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝۱۰۱ (بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے) اور لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا (الزخرف: 57) ابن العزیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ آیت آگے آ رہی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ اصل قول میں عموم کی اصل ہے اور عموم کے لیے مخصوص صیغے ہیں جبکہ بعض اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: عموم پر دلالت کرنے کے لیے کوئی صیغہ وضع نہیں کیا گیا۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ آیت اور دوسری آیات اس کی دلیل ہیں۔ عبداللہ بن الزبعری نے ما سے زمانہ جاہلیت کے تمام معبود سمجھے اور قریش جو فصحاء عرب اور بلغاء لسان تھے انہوں نے بھی اس کی موافقت کی اگر یہ ما عموم کے لیے نہ ہوتا تو اس سے استثناء کرنا صحیح نہ ہوتا حالانکہ یہ پایا گیا ہے۔ پس یہ عموم کے لیے ہے اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ عام قرأت حصب یعنی صاد کے ساتھ ہے مفہوم یہ ہے کہ اے کفار کے گروہ! تم اور جن بتوں کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ نے کہا: خطبھا حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حطب جهنم یعنی طاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضب ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: اس سے مراد الحصب ہے۔ فرمایا: ہمیں بتایا گیا ہے کہ الحضب اہل یمن کی لغت میں الحطب کے معنی میں ہے۔ ہر وہ چیز جس کے ساتھ آگ بھڑکائی جائے اور جس کے ساتھ تو آگ جلائے وہ

حضب کہلاتی ہے؛ یہ جوہری نے ذکر کیا ہے۔ الموقد کا معنی محضب (چولہا) ابوعبیدہ نے حصب جہنم کے بارے میں فرمایا: ہر وہ چیز جو آگ میں ڈالے اس کے لیے حصبتھا بہ بولا جاتا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافر لوگ اور وہ بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس آیت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الحجارۃ سے مراد کبریت کا پتھر ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ آگ، بتوں پر عذاب اور عقاب نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے تو کوئی جرم نہیں کیا بلکہ یہ ان کے عبادت گزاروں کے لیے عذاب ہوگی۔ یہ پہلا مقام حسرت ہوگا پھر انہیں آگ پر جمع کیا جائے گا اور ان کی آگ ہر آگ سے سخت ہوگی۔ پھر اس آگ کے ساتھ مشرکوں کو عذاب دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ان پتھروں (بتوں) کو جلایا جائے گا اور پھر مشرکوں کے عذاب میں زیادتی کے لیے انہیں ان بتوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہیں آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ ان کی عبادت پر سرزنش ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ یہ خطاب مشرکوں کو ہے جو بتوں کے پجاری ہیں یعنی تم اپنے بتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو گے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ خطاب بتوں کے لیے اور ان کے عبادت گزاروں کے لیے ہو کیونکہ اگرچہ جمادات تھے لیکن کبھی آدمیوں کی ضمیروں کے ساتھ ان کے متعلق خبر دی جاتی ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ما غیر آدمیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر آدمیوں کا ارادہ ہوتا تو من کہا جاتا۔ زجاج نے کہا چونکہ اس آیت کا مخاطب مشرکین مکہ ہیں دوسرے نہیں۔

لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ هُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

"(سوچو!) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں اور جھوٹے خدا اور ان کے پجاری سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدت عذاب سے) چیخیں گے اور اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا یعنی اگر یہ بت خدا ہوتے تو ان کے عبادت گزار آگ میں نہ جاتے۔ بعض علماء نے کہا: عبادت گزار اور معبود جہنم میں داخل نہ ہوتے اسی لیے فرمایا: كُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ کفار و شیاطین میں سے جو آگ میں داخل ہوں گے ان کے لیے چیخ و پکار ہوگی۔ رہے بت تو ان میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا اور انہیں عذاب دے گا تاکہ ان کے لیے چیخ و پکار ہو یا انہیں زندہ نہیں کرے گا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ الزفیر مغموم نفس کی وہ آواز جو دل سے نکلتی ہے۔ یہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ وَّ هُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں حذف ہے اس کا معنی ہے اس میں وہ کچھ نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بہرے ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ نَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (الاسراء: 97)

اشیاء کے سننے میں راحت و انس ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کفار کو آگ میں اس سے محروم کرے گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا

مطلب ہے وہ ایسی بات نہیں سنیں گے جو انہیں خوش کرے گی بلکہ وہ ان فرشتوں کی آواز سنیں گے جو انہیں عذاب دینے پر مسلط ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: جب انہیں کہا جائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون) تو وہ بہرے اور گنگے ہو جائیں گے جیسا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: جب وہ لوگ جنہوں نے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے وہ باقی رہ جائیں گے تو وہ آگ کے تابوتوں میں ڈالے جائیں گے پھر ان تابوتوں کو دوسرے تابوتوں میں رکھا جائے گا جس میں آگ کے کیل لگے ہوں گے اور وہ کچھ نہیں سن سکیں گے اور ان میں سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا کہ آگ میں ان کے علاوہ بھی کسی کو عذاب دیا جا رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

''بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غم ناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى الحسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا، ھا ضمیر سے مراد آگ ہے۔ مُبْعَدُوْنَ ۝ کلام کا معنی استثناء ہے اسی وجہ سے بعض اہل علم نے کہا: ان یہاں بمعنی الا ہے اور قرآن میں اس کے علاوہ ایسا کہیں نہیں۔ محمد بن حاطب نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ آیت منبر پر پڑھتے سنا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ان میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا یعنی وہ آگ کی آہٹ اور اس کے شعلوں کی حرکت نہ سنیں گے۔ الحسیس اور الحس کا معنی حرکت ہے۔ ابن جریج نے عطا سے روایت کیا ہے فرمایا ابو راشد حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تو مجنون ہے پھر یہ ارشاد کہاں ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ (مریم) اور یہ گزشتہ لوگوں کی دعا تھی: اے اللہ! مجھے آگ سے سلامتی کے ساتھ نکال اور مجھے جنت میں کامیاب فرما۔ ابو عثمان نہدی نے کہا: پل صراط پر سانپ ہوں گے جو دوزخیوں کو کاٹیں گے اور وہ کہیں گے: حس حس۔ بعض علماء نے فرمایا: جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہونگے تو وہ دوزخیوں کی آہٹ نہیں سنیں گے اور اس سے پہلے سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے جبکہ وہ ان نعمتوں میں ہوں گے جو ان کے نفس چاہیں گے اور آنکھوں کو لذت دیں گے۔ فرمایا: وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْۤ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ (حم السجدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ابو جعفر اور ابن محیصن نے یُحزنھم یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے

السَّمَآءَ یا نعید کی وجہ سے منصوب ہوگا تو کَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ یا لایحزنهم کی وجہ سے منصوب ہوگا یعنی لایحزنهم الفزع الاکبر فی الیوم الذی نطوی فیه السماء یا اذکر کے اضمار کے ساتھ منصوب ہے۔ السماء سے مراد جنس ہے اس کی دلیل یہ ہے وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر:67)

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: صحیفہ کو اس پر لپیٹ دینا جو کچھ اس میں ہو۔ لام بمعنی علی ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے (1)۔ یہ بھی قوی نہیں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب معروف تھے ان میں سے یہ کسی کا نام نہیں اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کا نام السّجل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر اور سدی نے کہا: السجل اس فرشتے کا نام ہے جو بنی آدم کے رجسٹر لپیٹتا ہے، جب وہ اس کی طرف بلند کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ تیسرے آسمان میں ہے۔ اس کی طرف بندوں کے اعمال بلند کیے جاتے ہیں۔ کندھوں پر موجود الحفظة فرشتے ہر جمعرات اور سوموار کو اس کو پیش کرتے ہیں اس کے مددگاروں میں سے ہاروت وماروت ہیں۔ اسجل، اشام کو بھی کہتے ہیں یہ السجالة سے مشتق ہے جس کا معنی کتابت ہے اس کی اصل السجل سے ہے یعنی ڈول۔ تو کہتا ہے: ساجلت الرجل جب تو نے ڈول نکال دیا پھر مکاتبت اور مراجعت کو مساجلة کہا گیا۔ سجل الحاکم تسجیلاً۔ فصل بن عباس بن عتبة بن ابی لہب نے کہا:

مَنْ یُسَاجِلْنِی یُسَاجِلْ مَاجِدًا یَمْلَاءُ الدَّلْوَ اِلٰی عَقْدِ الْکَرَبِ

پھر اس اسم کی بنا فِعِلّ بنائی گئی ہے جیسے حِمِرّ و طِمِرّ و بِلِدّ۔ ابوزرعہ بن عمرو بن جریر نے کطی السُجُل سین اور جیم کے ضمہ کے ساتھ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش اور طلحہ نے کطی السجل سین کے فتح اور جیم کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ایک ہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور للکتاب کے قول پر کلام مکمل ہے۔ اس آیت میں الطی دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ الدرج جو النشر کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر: 67) دوسرا معنی چھپانا اور مٹانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے نشان مٹائے گا اور اس کے ستاروں کی روشنی کو ختم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۞ (التکویر) وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۞ (التکویر) للکتاب پر کلام مکمل ہوئی۔ اعمش، حفص، حمزہ، کسائی، یحییٰ اور خلف نے للکتاب جمع پڑھا ہے۔ پھر کلام کا آغاز ہوا فرمایا: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ یعنی ہم انہیں جمع کریں گے جبکہ وہ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون ہوں گے جس طرح وہ ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیے گئے تھے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگ جمع ہو جائیں گے جبکہ وہ برہنہ بدن، غیر مختون ہوں گے قیامت کے روز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ''۔ اس کو امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موعظت کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو!

1۔ ابوداؤد، باب فی اتخاذ الکاتب، حدیث 2546

تم اللہ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے جبکہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ خبردار! سب سے پہلے قیامت کے روز ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا" (1)۔ ہم نے اس باب کے تحت التذکرہ کتاب میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ سفیان ثوری نے سلمہ بن کہیل سے انہوں نے ابوالزعراء سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے پانی بھیجتا ہے جیسے مردوں کی منی ہوتی ہے پس اس سے لوگوں کے گوشت اور جسم پیدا ہوتے ہیں اسی طرح گیلی مٹی سے اور چیزیں پیدا ہوتی ہیں پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم ہر چیز کو ہلاک کر دیں گے اور ہم ہر چیز کو فنا کر دیں گے جس طرح ابتدا میں تھا۔ اس بناء پر کلام يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ کے قول سے متصل ہوگی، یعنی ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے پھر اسے ہلاکت وفنا کی طرف لوٹا دیں گے پس کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم آسمان کو فنا کریں گے پھر انہیں دوبارہ لپیٹنے اور زوال کے بعد لوٹائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ (ابراہیم: 48)

پہلا قول اصح ہے اور اس کی مثال یہ قول ہے: وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 94)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الکہف: 48) وعداً مصدر کی بنا پر منصوب ہے یعنی وعدنا وعداً۔ علینا ہم پر اس کا پورا کرنا اور وفا کرنا ہے یعنی دوبارہ اٹھانا اور اعادہ کرنا ہے۔ کلام میں حذف ہے پھر: اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ کے ساتھ مؤکد کیا۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہم چاہتے ہیں اس پر قادر ہیں۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہم نے تم سے وعدہ کیا اسے پورا کرنے والے ہیں، جس طرح فرمایا: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ (المزمل) بعض نے کہا: کان جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی خبر دینے کے لیے ہے۔ بعض نے کہا: صلہ ہے۔

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝۱۰۵
اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝۱۰۶

"اور بیشک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اس قوم کی (فلاح دارین) کے لیے جو عبادت گزار ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ، الزبور اور الکتاب ایک چیز ہے اسی وجہ سے تورات اور انجیل کو زبور کہنا جائز ہے۔ زبرت کا معنی ہے کتبت اس کی جمع زُبُر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: الزبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ جو آسمان میں ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ سے مراد جنت کی زمین ہے۔ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ یہ سفیان نے اعمش سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: الزبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ہے۔ الذِّكْر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہے۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: الزبور سے مراد انبیاء کرام کی کتب ہیں۔ الذِّكْر

1۔ مسند امام احمد، 1913، 2096

سے مراد ام الکتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس آسمان میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الزبور سے مراد وہ کتب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام پر اتارا۔ الذکر سے مراد وہ تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی۔ حمزہ نے فِی الزَّبُوْرِ راء کے ضمہ کے ساتھ زبر کی جمع کے طور پر پڑھا ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ بہتر قول جو اس کی تفسیر میں مروی ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کی زمین ہے جیسا کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ دنیا میں زمین کے وارث نیک لوگ بھی ہوتے ہیں اور دوسرے ظالم و جابر بھی ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہما کا قول ہے۔ مجاہد اور ابو العالیہ نے کہا: اس تاویل کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ (الزمر: 74)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد ارض مقدسہ ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کافر امتوں کی زمین ہے جس کی امت محمدیہ فتوحات کے ساتھ وارث بنی۔ بعض نے کہا: اس سے مراد بنو اسرائیل ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا (الاعراف: 137)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ عباد الصالحین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ حمزہ نے عبادی الصالحون یاء کی تسکین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا اس سورت میں جو وعظ و تنبیہ گزری ہے۔ بعض علماء نے کہا: یعنی جو قرآن میں ہے: لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ وہ کفایت کرنے والا ہے عبادت گزار قوم کے لیے۔ حضرت ابو ہریرہ اور سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد پانچ نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عابدین سے مراد اطاعت کرنے والے ہیں۔ العابد جو اطاعت و انکساری کرنے والا ہو۔ قشیری نے کہا: کوئی بعید نہیں کہ اس میں ہر عاقل داخل ہو کیونکہ فطرت کی حیثیت سے وہ خالق کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔ وہ اگر قرآن میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے تو وہ اسے جنت تک پہنچائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ امتی ہیں جو پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھتے ہیں؛ یہ بعینہٖ پہلا قول ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰۷ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۸ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۹

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔ فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے پس کیا تم اسلام لانے کے لیے تیار ہو، اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں پوری طرح اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے رحمت ہیں پس جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وہ سعادت مند ہوا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا اسے وہ عذاب لاحق نہیں ہوا جو پہلی امتوں کو (نافرمانی کی وجہ سے) خسف اور غرق لاحق ہوا۔ ابن زید نے کہا: العالمین سے خاص مومنین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا جائز نہیں۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید کی اطاعت کرنے والے ہو یعنی اسلام قبول کرلو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ) یعنی تم باز آجاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ یعنی میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری جنگ ہے ہماری کوئی صلح نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (الانفال: 58) یعنی انہیں آگاہ کرو کہ تو نے عہد توڑ دیا ہے یعنی تم اور وہ برابر ہو کسی ایک فریق کا دوسرے فریق کے لیے لازم عہد نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے میں نے تمہیں بتایا کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کے علم میں برابر ہیں میں نے ایسا نہیں کیا کہ کسی کے سامنے کوئی چیز ظاہر کی ہو اور دوسروں سے چھپائی ہو۔ وَاِنْ اَدْرِيْۤ، انْ نافیہ ہے بمعنی ما یعنی ما ادری۔ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ یعنی قیامت کی مدت کوئی نہیں جانتا نہ کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: میں تمہیں جنگ کے متعلق آگاہ کرتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ مجھے کب تم سے جنگ کرنے کی اجازت دی جائے گی؟

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ۝ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۝

"بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! فیصلہ فرما دے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ اور (اے کفار!) ہمارا رب وہ ہے جو رحمٰن ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ۝ یعنی شرک میں سے جو تم بلند آواز سے کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہے وہ اس پر جزا دے گا۔ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ شاید مہلت دینا، فِتْنَةٌ لَّكُمْ تمہارے لیے امتحان ہو تاکہ وہ دیکھے تمہارا عمل کیسا ہے جبکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ بعض علماء نے فرمایا: مدت کے ختم

ہونے تک۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ لوگوں پر غالب ہیں۔ حکم آپ کے پاس نکلا تو بنی امیہ کو اس کی خبر دی۔ بنوامیہ نے حکم کو کہا کہ تو آپ سے پوچھ یہ کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَاِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۔ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو فرمایا: آپ انہیں یہ کہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ سورت کا اختتام اس طرح فرمایا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمادیا کہ اپنا امر اللہ تعالیٰ کو تفویض کرو اور اس کی بارگاہ سے کشادگی کی توقع رکھو، یعنی میرے درمیان اور ان جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کر اور ان کے خلاف میری مدد فرما۔ سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: انبیاء کرام کہتے تھے: رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (الاعراف: 89) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کا حکم دیا: رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ یعنی اس وقت آپ یہ کہتے تھے جب دشمن سے آمنا سامنا ہوتا تھا حالانکہ آپ کو یقین کامل تھا کہ آپ حق پر ہیں اور دشمن باطل پر ہے: رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ اے میرے پروردگار حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ ابوعبیدہ نے کہا: یہاں صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: رب احکم بحکمك الحق اور رب محل نصب میں ہے، کیونکہ یہ ندا مضاف ہے۔ ابوجعفر بن قعقاع اور ابن محیصن نے قُلْ رَبُّ احْكُمْ بِالْحَقِّ با کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ نحویوں کے نزدیک غلط ہے۔ ان کے نزدیک رجل اقبل کہنا جائز نہیں حتی کہ تم کہو: یا رجل اقبل یا اس کے مشابہ کہو۔ ضحاک، طلحہ اور یعقوب نے قال رب احکم بالحق ہمزہ قطعی کے ساتھ اور کاف مفتوحہ اور میم مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی اے میرے رب! تو ہر حاکم سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ جحدری نے قل رب احکم پڑھا ہے، یعنی تمام امور کو حق کے ساتھ پختہ کرنے والا ہے۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ جو تم کفر اور تکذیب میں سے بیان کرتے ہو۔ مفضل اور سلمی نے علی مایصفون یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ واللہ اعلم۔